

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

علماء حق و علماء رسو کے ۱۰۰ سالہ بنیادی نظریاتی اختلاف
کے پس منظر پر تاریخی دستاویز

بَلَدُکَہِمْ حَقُّ کُوْبَاطِلٍ پَر پھینک دیتے
میں تو وہ اس کا بھی جانکال دیتا ہے تو جیسی وہ بٹ کر رہ
جاتا ہے اور تمہاری خرابی ان باتوں سے جو بتاتے ہو۔

کلمہ حق

مُصَنَّف
علامہ عبدالحکیم اختر
فاضل
شہید

مجددی منبری شاہجہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بزم رضویہ رجسٹرڈ لاہور

فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	نمبر شمار
7	تقدیم (از قبلہ پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہ العالی)	۱
11	دیباچہ (از حکیم اہل سنت، حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی)	۲
29	حرف آغاز (از مصنف)	۳
59	اظہار حقیقت	۴
62	پہلا راستہ	۵
73	دوسرا راستہ	۶
80	حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ	۷
120	لکھنؤی صاحب کی مزاج پرسی	۸
122	چل مرے خامہ بسم اللہ	۹
195	تاثرات (بعض علمائے کرام اور اہل قلم حضرات کے)	۱۰

صلی اللہ علی النبی الای والہ واصحابہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم

سَلَوَةٌ وَسَلَامٌ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

”مومن دو ہے جو ان (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو ”مرے دل“ سے

جملہ حقوق محفوظ ہيں

”کلمہ حق“

نام تصنیف

علامہ مولانا عبدالحکیم خان اختر صاحب مجددی مظہری

مستند

شاہجہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

علماء اہل سنت و جماعت اور دیوبندی وہابی ”علماء“ کے بنیادی اختلافات

موضوع

ماہنامہ نور حسین صاحب - محمد عبدالوہاب ناز صاحب (طبع اول)

پروف ریڈنگ

۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء (مع "الصوارم البندیہ" شریف)

اشاعت باراول

مکتبہ فریدیہ ساہیوال

六

۱۳۰۷ھ/۱۹۸۷ء، (بحیثیت عییدہ کتاب)

اشاعت پارووم

دارہ غوثیہ رضویہ، B-۲۴۔ کرم یارک مصری شاہ لاہور

六

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۱۳ دسمبر ۲۰۰۱ء (اشاعت حاضرہ)

اشاعت پارسوم

محمد رفیع شیخ خفنی قادری ایم اے (معاشریات)

پروف ریڈنگ

بیمہ رضویہ ۷۳/۱۴۱۱ء تا پاداشی پانچ لاکھ روپے

六

۲۴۵- سخاات

نخاست

ایک ہزار (۱۰۰۰)

تعداد

بزم رضویہ (رجسٹرڈ) مین بازار داتا نگر بادامی باغ

لاہور یوسٹ کوڈ نمبر ۵۴۰۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیغام

(لاہور کے مرد قلندر دانائے اہلسنت)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کے نام)

عشق کی ہے مدح خواں آج تک نہ فرات
 عشق سے رنگین ہے یہ جہاں شش جہات
 عشق تیری لے میں ہے عشق تیری نے میں ہے
 عشق ہے تیری دہن عشق ہے تیری برات
 عشق سے ہے زندگی عشق سے تابندگی
 عشق ہے کان مراد عشق ہے جان حیات
 آکہ سواریں ذرا زلف پریشان دیں
 اس سے ہی قسمت بنے ہے یہ متاع حیات
 آج تو تنہا نہیں ساتھ ہیں شاہ رضا
 سحراب ہونے کو ہے دیکھ کہ بھیگی ہے رات
 سینہ ہجویر کی تجھ پہ ہے چشم کرم
 ہند کے سلطان کی ہے نگہ التفات
 عظمت شاہ رضا جب کہ ہے پیش نظر
 آپ سے راضی ہوئے تاجور کائنات
 کام سے قسمت بنے کام سے عزت ملے
 وہ بھی لگیں کام میں جو کہ بناتے ہیں بات
 نام سے کچھ بھی نہیں کام سے بنتا ہے کام

نعت شریف

اَذ

(حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مرشد طریقت مولوی رشید احمد گنگوہی)
 اچھا ہوں یا بُرا ہوں، غرض جو کچھ بھی ہوں سو ہوں
 پر ہوں تمہارا، تم میرے محنت ریا رسول!
 جس دن تم عاصیوں کے شفیع ہو گے پیش حق
 اُس دن نہ بھولنا مجھے زہار یا رسول!
 تم نے بھی گرنے کی خبر اس حال زار کی
 اب جائے کہاں، بتاؤ، یہ لاچار یا رسول!
 دونوں جہاں میں مجھ کو وسیلہ ہے آپ کا
 کیا غم گرچہ ہوں نہیں، بہت خواہ یا رسول!
 کیا ڈر ہے اُس کو لشکر عصیان و جرم سے
 تم سا شفیع ہو، جس کا مددگار، یا رسول!
 ہو آستانہ آپ کا، امداد کی جہیں
 اور اس سے زیادہ کچھ نہیں، درکار، یا رسول!

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: گلزار معرفت مطبوعہ بالی دھانی پریس
 ساڈھورہ، ضلع انبالہ، (طبع قدیم)، ص ۶-۷

تقدیم

بانی مرکزی مجلس امام اعظم (لاہور) حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری مظہری زید لفظ اہل سنت و جماعت کے مشہور و معروف محقق، مصنف اور مترجم ہیں۔ وہ برس ہا برس سے نامساعد حالات اور مسلسل علالت کے باوجود علمی اور دینی کام کر رہے ہیں۔ ان کی بیسیوں تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں اور کتنی ہی کتب حدیث کا ترجمہ کر کے انہوں نے وہ کام کیا ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہے گا۔ ان کی مبارک و مصروف زندگی جوانوں کے لئے ایک مشعل راہ اور نمونہ ہے۔ مولائے کریم ان کو تادیر سلامت رکھے اور ان کا علمی و روحانی فیض جاری رہے۔ آمین۔

پیش نظر کتاب ”کلمہ حق“ (مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء) ان کی ایک مفید اور اصلاحی تصنیف ہے جس کا مقصد فکر و نظر کی اصلاح ہے۔۔۔ کبھی کبھی اصلاح کے لئے عمل جراحی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر مقصد نیک ہو تو یہ عمل برا نہیں ہاں اگر اس سے دل آزاری مقصود ہو تو بے شک معیوب ہے، لیکن اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم فاضل مصنف کی نیت پر شک کریں۔۔۔ اس کتاب کا موضوع وہی ہے جس پر گزشتہ ڈیڑھ دو صدیوں سے لکھا جا رہا ہے۔۔۔ غلطیوں کا اعتراف کر لیا جائے تو بات ختم ہو جاتی ہے لیکن اگر اس کو اپنی یا اپنی جماعت کی انا کا مسئلہ بنا لیا جائے تو پھر بات بڑھتی جاتی ہے اور بحث و مباحثہ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ماضی میں بھی یہی کچھ ہوا اور اب بھی ہو رہا ہے، اس اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے۔

موجودہ صدی اور گزشتہ صدی میں بعض حضرات سے جناب باری عزاسمہ اور جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے کلمات نکل گئے جن کو مسلمانوں کی ایک جماعت نے گستاخانہ قرار دیا۔ چنانچہ علماء کرام نے بروقت ان حضرات کو نصیحت و ہدایت کی، پھر اتمام حجت کے بعد کفر کے فتوے بھی لگائے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی

رہزنوں کی چال دیکھ چھوڑان کی ذات پات غیظ میں جلتے ہیں وہ، نچوٹ پہ پلتے ہیں وہ بچے جو پیشِ حرم دل میں لیے سومات عالمانِ دین بھی اک روپے کے تین بھی ملتے ہیں اس دور میں جہل کے لات و منات سو گئے تھے پیشوا چھوڑ کر خالی حرم ان کو جگانا بھی ہے چھیڑ کر سازِ حیات عالم دیں ہے وہی عاقبت پہ ہو نظر ان سے جہاں کاثبات ہیں یہی قدسی صفات راہِ حرم تیز ترک گام زن ٹوٹ نہ جائے کہیں تارِ نفس بے ثبات دن میں نبرد آزما ہو گیا اختر ترا شاطرانِ دین کے کرنے جو مہرے ہیں مات

اختر شاہجہان پوری مظہری عفی عنہ

(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

لاہور

معلوم ہو گا کہ اس گستاخانہ فکر نے سیاسی سطح پر ملت اسلامیہ کو بہت مدد سے پہنچائے — سقوط سلطنت عثمانیہ، سلطنت مغلیہ اور تحریک خلافت، تحریک ہجرت، تحریک ترک موالات، تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک نظام مصطفیٰ وغیرہ میں ملت اسلامیہ نے جو نقصانات اٹھائے اس کے جہاں اور بھی اسباب ہیں وہاں ایک اہم سبب وہ فکر بھی تھا جس نے بعض لوگوں کو گستاخیوں پر آمادہ کیا، اس لئے بعض دیدہ ور مورخین و محققین کا خیال ہے کہ اصل میں ملت اسلامیہ کی قوت توڑنے کے لئے برطانیہ کے محکمہ جاسوسی نے اس فکر کو پروان چڑھایا تاکہ ملت کا شیرازہ منتشر ہو جائے اور ہوا اکھڑ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب اس فکر نے سر اٹھایا، اہل سنت و جماعت کی عظیم سلطنت عثمانیہ جو دنیا کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی، آخر کار وہ بھی پارہ پارہ ہو گئی — جذباتیت اور جانب داری سے قطع نظر اگر ہم حقائق و شواہد کی روشنی میں اس خیال کا جائزہ لیں تو کچھ بات سمجھ میں آتی ہے۔

یہاں ایک تاریخی عجوبہ بھی پیش کرتا چلوں — عجائبات عالم میں سے ایک عجوبہ یہ دیکھنے میں آیا کہ تحریک آزادی ہند کے زمانے میں اس فکر کے علم بردار اور نظریہ توحید کے پاسدار، دو دوسروں کو مشرک اور بدعتی کہتے تھے، وہ کفار و مشرکین ہند کے ہم نوا اور ہم نوالہ وہم پیالہ ہو گئے اور تحریک پاکستان کی پرزور مخالفت کرتے ہوئے مشرکین ہند کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے شدید دشمن ہو گئے — اس کے برعکس جن مسلمانوں کو مشرک اور بدعتی کہا جاتا تھا وہ کفار و مشرکین ہند کے مخالف اور پاکستان کے حامی و مددگار ہو گئے اور جان و مال لٹانے لگے — ایک طالب علم یہ سوال کر سکتا ہے کہ ”موحدین نے مشرکین ہند کا کیوں ساتھ دیا جب کہ مشرکوں اور بدعتیوں کو ان کا ساتھ دینا چاہئے تھا“ لیکن انہوں نے پاکستان کی حمایت کی اور ہر مرحلے پر مسلمانوں کا ساتھ دیا اور کافروں و مشرکوں سے دور رہنے کی تلقین کی، آخر ایسا کیوں ہوا؟ — اس سوال کا کوئی جواب نہیں — یہ طالب علم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہے کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا گیا تھا اور کیا جا

کے لٹوٹی لگائے سے کوئی کافر نہیں ہوتا، اپنے قول و عمل سے ہوتا ہے، مفتی صرف شادی کرتا ہے۔ بہر حال ان حضرات نے اپنے الفاظ کو نہیں بدلا، حالانکہ اگر وہ بدل دیتے بلکہ حذف ہی کر دیتے تو ایک بڑا فتنہ سر اٹھاتے ہی دفن ہو جاتا۔ مگر ایسا نہ ہوا اور بات مجڑنے لگی اور بڑھنے لگی حتیٰ کہ پاک و ہند اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ اس مسئلے کا حل مفتی اعظم شاہ محمد مظفر اللہ دہلوی علیہ الرحمۃ المتوفی ۱۳۸۶ھ نے ”نادوئی منظری“ میں خوب تجویز فرمایا ہے — ”انہوں نے فرمایا کہ جن کلمات کے بارے میں یہ فیصلہ ہے کہ وہ گستاخانہ ہیں ان کو اہل زبان کے سامنے پیش کر دیا جائے کیونکہ اہل زبان ہی زبان کے نشیب و فراز اور اسرار و رموز سے واقف ہوتے ہیں۔ اگر ان کلمات کے بارے میں اہل زبان یہ فیصلہ دے دیں کہ وہ گستاخانہ ہیں تو پھر اس فیصلے کی روشنی میں مفتی اپنا فتویٰ نافذ کرے“ — بات نہایت معقول ہے، اگر یہ مان لی جائے تو جھگڑا ختم ہو سکتا ہے، مگر ضد بحث جاری ہے جس نے خاص طور پر جوانان ملت کو پریشان کر رکھا ہے اور وہ عجب الجھن میں مبتلا ہیں۔ ان کی الجھن جیسی ختم ہو گی جب ضد کو چھوڑ کر معقولیت پسندی کی راہ اختیار کی جائے گی۔

بات کسی انسان کی عزت و ناموس کی نہیں — جناب باری عزاسمہ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس ہی ہے — ذرا سوچیں تو سہی! — آپ کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ اپنے اسلاف اور اہل بیت کی عزت کو بچائیں گے یا ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو؟ — کس کو قربان کریں گے، کس کو سینے سے لگا کر رکھیں گے؟ — فیصلہ بڑا آسان ہے — ایک جماعت نے تو ناموس مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی عزت اور اپنے اکابر کی عزت قربان کر دی اور تن من دھن سب کچھ لٹا دیا — اب دوسری جماعت کی باری ہے — قرآن محبت رسول مانگ رہا ہے، اس کا دامن محبت کے پھولوں سے بھر دیجئے۔

مگر مسئلہ کچھ زیادہ ہی سنجیدہ معلوم ہوتا ہے، قرآن کی آواز پر لبیک کہنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس کی جا رہی ہے — بات کچھ اور ہے — آپ غور کریں گے تو

رہا ہے وہ بالکل غلط اور بے بنیاد تھا اس کی حیثیت سراسر سیاسی تھی اور ہے اس کا دین و مسلک سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہر نو پیدا فرقے اور جماعت کے اجداد کا تعلق سواد اعظم اہل سنت و جماعت سے تھا اور وہ سب کے سب سلف صالحین کے پیرو تھے۔ پھر مختلف سیاسی عوامل کے تحت نئی نئی راہیں نکالی گئیں، ٹکڑیاں بننے لگیں، ہر ٹکڑی کا محور ایک شخصیت قرار پائی۔ اس طرح گزشتہ دو تین صدیوں میں مختلف فرقے سامنے آئے۔ ہر فرقہ دعویدار ہے کہ وہ حق پر ہے، اس کی پیروی کی جائے۔ طلبہ، جوان اور بوڑھے حیران پریشان ہیں۔ مگر پریشانی کی کوئی بات نہیں — پیچھے چلیں اور ہر نو پیدا فرقے کے اجداد و اسلاف کے عقائد و افکار کا جائزہ لیں۔ آپ کو ان میں حیرت انگیز یکسانیت نظر آئے گی۔ بس اسی رنگ کو اپنائیں، جس رنگ میں آپ کے اور ہمارے اجداد و اسلاف رنگے ہوئے تھے، یہی رنگ ہزاروں لاکھوں اولیاء اور علماء کا تھا۔ یہ راستہ دکھانے والے یہ زندگی بنانے والے گمراہ نہیں ہو سکتے۔

حضرت علامہ مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری منظری نے اس کتاب میں اصل حقائق کے رخ سے پردہ اٹھایا ہے۔ ان کا انداز بیان ممکن ہے بعض قارئین کو جارحانہ معلوم ہو مگر جو باتیں انہوں نے کہی ہیں ان میں کہیں عدل و انصاف اور حق پرستی کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ امید ہے کہ فاضل موصوف کی یہ کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ فاضل ممدوح ایک طرف کتب احادیث کے تراجم فرما رہے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کو آپ کی پیاری پیاری باتیں سنا رہے ہیں تو دوسری طرف آپ کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہیں۔ نبوی تعالیٰ فاضل ممدوح کے اس قلمی جہاد کو قبول فرمائے اور قارئین کرام کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ اللہ علیہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ وازواجہ و صحابہ وسلم۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۳۰ اگست ۱۹۸۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

اظہار حقیقت

فاضل جلیل، عالم نبیل، زمیم اہل سنت، جناب عبدالحکیم خاں اختر شاہجہان پوری نقشبندی مجددی منظری مدظلہ العالی مترجم کتب احادیث مبارکہ و مؤلف کتب کثیرہ — مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کی تائید و حمایت میں بے پناہ لکھنے کے علاوہ مخالفین و معاندین اہل حق کے بے ہودہ اور لغو اعتراضات کے مسکت جوابات دینے میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ مخالفین اہل حق کے بڑے بڑے قلم کار اور فن مناظرہ میں یدِ طولیٰ رکھنے والے علماء ان کے نام اور کام سے خائف و ہراساں دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی دینی، مذہبی، مسکنی اور مشربی پر خلوص خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ اپنوں اور بیگانوں میں یکساں طور پر متعارف ہیں — مگر میں ان کے دیرینہ نیاز مند ہونے کی بنا پر ان کے دلی جذبات اور سوز و دروں تک سے واقف ہوں۔

حضرت اختر مدظلہ سے میرا پہلا غائبانہ تعارف ۱۹۷۳ء میں اس طرح ہوا کہ ملک کے مشہور شاعر، صحافی اور ادیب شورش کاشمیری صاحب نے ہفتہ وار ”چٹان“ لاہور میں مسلک حقہ اہل سنت و جماعت کو بدنام کرنے کے لئے اکابر اہل سنت پر بہتان تراشیوں اور دروغ بافیوں کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ اس وقت حضرت اختر نے شورش صاحب کی ان دل آزار اور نہایت غیر ذمہ دارانہ تحریروں کا محاسبہ اور تعاقب ہفت روزہ ”سواد اعظم“ لاہور میں کیا۔ مگر چند ماہ میں جناب شورش کی یہ شورش فرو ہو کر رہ گئی ورنہ جناب اختر صاحب سال ہا سال تک شورش صاحب کے خلاف لکھنے کا تہیہ کر بیٹھے تھے۔ (۱)

طور پر جابلے، ان پڑھ کہہ کر یاد فرماتے ہیں اور جس وقت بہت ہی زیادہ مہربان ہوں تو ناسمجھ اور بے عقل کے القابات سے بھی نواز دیتے ہیں اور کبھی ہمارے مرض کا نام پاگل پن تشخص فرماتے ہیں۔ بعض علماے یہ فرماتے ہیں کہ ”چند رسائل مچاپ کر کونسا تیر مارا ہے؟“ (۲)

اس تکلیف دہ دور میں احقر راقم السطور نے مرکزی مجلس رضا لاہور قائم کی، تاکہ اس کے ذریعے یونیورسٹیوں اور کالجوں کے فاضل اساتذہ اور ذہین طلبہ کو نہایت معیاری لٹریچر بلا قیمت پیش کر کے اس مکرر اور مسموم فضا کو صاف و شفاف کیا جائے تاکہ سچے عاشق رسول مقبول یعنی امام احمد رضا بریلوی کا روشن و متور چہرہ سب کو نظر آنے لگے۔

اس وقت فاضل محترم جناب اختر شاہجہان پوری کی خدمت میں بندہ نے ایک عریضہ بذریعہ ڈاک ارسال کیا کہ ”آپ ہمارے ساتھ قلمی و علمی تعاون فرمایا کریں۔“ موصوف نے عاجز کی اس درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے مرکزی مجلس رضا کی علمی معاونت شروع کر دی، اگرچہ وہ امام اہل سنت پر اس سے پہلے بھی مضامین لکھا کرتے تھے جو ان اخبارات و رسائل میں طبع ہوا کرتے تھے جو صرف جلقہ مولویوں میں پڑھے جاتے تھے۔ مگر میری یا مرکزی مجلس کی معاونت کی ذمہ داری قبول کرنے کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، مجدد دین و ملت علیہ الرحمہ کے لئے وقف کر دیا اور دن رات لکھتے ہی چلے گئے، اس سے بے نیاز ہو کر یہ مبسوط تحقیقی مقالات شائع ہوں گے بھی یا نہیں؟ ان کے مطبوعہ اور ہنوز منتشر اشاعت مقالات جو صرف اعلیٰ حضرت پر ہیں، کو یک جا جمع کر دیا جائے تو کئی جلدوں پر مشتمل ایک حجم و ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور سے طبع ہونے والی چند کتب کے مسودات کو حضرت اختر نے محنت شاقہ کے بعد طباعت کے قابل بنایا یعنی ان کی زبان کی درستی کے علاوہ ہیرا بندی کی اور حوالے تلاش کر کے درج کئے۔ انہیں یہ زحمت اس لئے اٹھانا پڑی کہ

حضرت اختر سے اس تعارف کے بعد ۱۹۷۸ء میں ان کے قریب ہونے کا سبب یہ ہوا کہ اہل سنت کے تعارف و مسائل اور کانگریس مولویوں کی پاکستان میں آمد اور ان کے اپنے مخصوص انداز میں پروپیگنڈہ کی مہم اور جماعت اسلامی کی غیر اسلامی کارروائیوں کے باعث، اس پاکستان میں جسے اہل سنت نے دوٹ، نوٹ، عزت، آبرو اور جانیں دے کر حاصل کیا تھا، اس میں منعقدہ علمی و ادبی مجالس و محافل (جن میں راقم الحروف کو شمولیت کا اکثر موقع ملتا تھا) میں اہل سنت کے امام اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی قدس سرہ کا نام لینا جرم یا باعث عار سمجھا جانے لگا تھا اور جب ذرائع ابلاغ پر اغیار کا مکمل طور پر قبضہ اور ”قلم در کف دشمن است“ کا معاملہ درپیش تھا اور کتب فروشوں کے ہاں امام اہل سنت کی تصانیف نظری نہیں آتی تھیں اور نہ ان پر کوئی کتاب باصرہ نواز ہوتی تھی۔

اگرچہ ۱۹۷۸ء سے قبل اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت قدس سرہ پر دو کتابیں چھپ چکی تھیں مگر وہ صرف حلقہ مولویوں تک محدود تھیں۔ یہ ارمغان علمی، ذی علم حضرات سے مخفی تھے۔ ان کتب کی طباعت سے کچھ عرصہ پہلے کا اپنا ایک واقعہ جناب محترم حفیظ تاب صاحب نے راقم سے بیان فرمایا تھا۔ وہ یہ کہ موصوف نے ایک مرد بزرگ پیر طریقت قدس سرہ کو خط لکھا کہ میں امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات، مقامات، علیہ اور خدماتِ دینیہ و ملیہ سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا ہوں، ان پر لکھی گئی کسی کتاب کی نشان دہی کیجئے۔ اس پر حضرت قبلہ شیخ الحدیث قدس سرہ نے جواباً تحریر فرمایا کہ ”حزب الاحناف لاہور سے وصایا شریف خرید کر پڑھئے“ (منہوما)

یہ بڑا کرب ناک اور ذہنی آفت کا دور تھا، مگر صرف ہمارے لئے ہی تھا ورنہ مولوی لوگ تو اپنی اپنی پناہ گاہوں میں بیٹھے اپنے آپ کو ولایتِ عظمیٰ پر فائز سمجھتے ہیں اور انہیں کسی علمی محفل میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، گویا وہ اس مصیبت سے محفوظ ہوتے ہیں اور یہ لوگ اپنی مجالس یا حلقہ مریداں میں بیٹھے ہم ایسوں کو عام

ہمارے ایک مقالہ نگار ردی کے کانڈوں بلکہ جھپٹروں پر مسودات تیار کر کے بھیجتے تھے۔

حضرت اختر مدظلہ کی صرف ایک تالیف ”اعلیٰ حضرت کا فقہی مقام“ مرکزی مجلس رضا کو شائع کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی یہ محققانہ تالیف اہل قلم اور ارباب علم و دانش میں بے حد مقبول و مطبوع ہوئی، گویا حضرت اختر صاحب نے دوسروں کے کام کو سنوار کر ان کو لکھنے کا ڈھنگ سکھانے کی کوشش کی اور دوسری طرف مجلس کی علمی بنیادوں کو استحکام بخشا مگر مرکزی مجلس رضا ان کی دیگر گرانقدر تصانیف کو چھپوانہ سکی، گویا ان کے مخلصانہ جذبات اور بے لوث خدمات کی صحیح قدر نہ کی گئی۔

مرکزی مجلس رضا پر ناقدانہ دانی کا الزم دھرنے سے یہ زیادہ صحیح ہو گا کہ احقر حضرت موصوف کی محققانہ تالیف اور پیش ہما علمی رسائل کو محض اس لئے نہ طبع کرا سکا کہ میں تین مولویوں کو علمائے حق سمجھ بیٹھا تھا اور ان تین کے علاوہ ایک مولوی کے رشتہ دار کو خادم دین جان لیا تھا۔ ان مولوی حضرات سے تعلق کی بنا پر میں نے بہت کچھ کھویا، مگر دور حاضر کے اکثر مولویوں کی حقیقت واضح ہو گئی ہے۔

ان ملوث اللہ فی الارض (۳) کے مجھ پر جو اثرات مرتب ہونا تھے انہیں جناب اختر صاحب زید مجاہد نے بہت جلد بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ چار سال کی مسلسل جانکاهی کے بعد کوئی وجہ بتائے بغیر ۱۹۷۲ء میں وہ مجلس سے لا تعلق ہو گئے تھے، مگر انہوں نے احقر سے تعلق خاطر منقطع نہ فرمایا اور میں بھی ان کی بے پناہ محنت و خدمت کی آج بھی نہ دل سے قدر کرتا ہوں۔ — مقام صد افسوس ہے کہ اس خادم دین متین (حضرت اختر) کے ساتھ بعض ”علمی و روحانی“ ہستیوں نے ابتدا ہی سے معاندانہ یا حوصلہ شکنی کا رویہ اپنا رکھا ہے، غالباً ”صرف اس لئے کہ وہ ”مولوی پیشہ“ نہ ہونے کے باعث ان کے پٹی بند بھائی نہیں بن سکے۔

مذکورۃ الصدر حقائق کے پیش نظر میں نے حضرت اختر صاحب زید مدظلہ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے علاقہ میں مرکزی مجلس امام اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے نام سے ایک

اشاعتی ادارہ قائم کریں اور اس کے ذریعے اپنے رشحات قلم کے ساتھ ساتھ دیگر علمائے حق کی تصانیف کو بھی شائع کر کے متلاشیان حق کے سامنے پیش کریں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ میرا یہ مشورہ شرف قبولیت سے پار آور ہوا اور ۱۳ ستمبر ۱۹۸۵ء کو والدین سکول کے نزدیک لاہور چھاؤنی میں مرکزی مجلس امام اعظم کے متبرک و مقدس نام سے موسوم ایک علمی ادارہ حضرت اختر صاحب قبلہ نے قائم کر دیا۔ جزاء اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

اس ادارے نے اپنی صرف سہ سالہ زندگی میں ایک درجن سے زائد نہایت معیاری اور دیدہ زیب کتب و رسائل طبع کرنے کا اعزاز حاصل کر لیا ہے۔ اور یہ قیمتی جواہر پارے پورے ملک کے ارباب علم و دانش تک پہنچ چکے ہیں۔ مرکزی مجلس رضا لاہور نے جو بلا قیمت (۴) یعنی بھوض دعائے خیر کتب مہیا کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اسی طرح حضرت اختر کی قائم کردہ مرکزی مجلس امام اعظم بھی تمام مطبوعات قارئین کی نذر کر رہی ہے۔

میری دعا ہے کہ سچے خادم دین اور مرد قلندر حضرت اختر کا لگایا ہوا یہ پودا ملک کا ایک عظیم ستارہ درخت بنے اور اس فتنوں کے دور کی ہر آفت اور ہر نظر بد سے محفوظ و مصون رہے اور بیسندہ حدید کتاب الجیل (۵) پر عمل کرنے والے خائن دوست اور خیانت پسند افراد اس سے کوسوں دور رہیں تاکہ اس کے ثمراتِ علمیہ دنیا بھر میں پھیل جائیں، آمین! یہاں حضرت اختر کے اس جذبہ ایمار کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کہ انہوں نے مرکزی مجلس امام اعظم کی طرف سے اپنی صرف چار کتابیں چھپوائی ہیں جبکہ پندرہ کتابیں دیگر حضرات کی ہیں۔

پیش نظر کتاب ”کلمہ حق“ حضرت محترم عبدالحکیم خان اختر صاحب مدظلہ کی نہایت تحقیقی و تدقیقی تالیف و تصنیف ہے، جو اہل سنت و جماعت اور دیوبندی علماء کے جملہ اختلافات میں سے سب سے اہم، سب سے نازک اور سب سے دقیق اور اصولی اختلاف یعنی افاضل و اکابر دیوبند کی کفریہ عبارات اور ان کی تکفیر سے متعلق ہے۔

پاکستان میں دیوبندی حضرات کے مشہور و مقبول مولف مولوی محمد سرفراز گھمڑی صاحب نے اپنی بعض تالیفات میں اس مسئلہ تکفیر پر بحث کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ اور چند دوسرے سنی علماء پر نہایت رکیک حملے کئے ہیں۔ فاضل محترم جناب اختر صاحب نے محققانہ، منصفانہ اور غیر جانب دارانہ جوابات دے کر جناب گھمڑی صاحب اور ان کے جملہ ہم نواؤں کے اس سلسلہ کے تمام اعتراضات کا لغو اور باطل ہونا ثابت اور مبرہن کر دیا ہے۔ جو صاحب علم و دیانت بھی (مخالف و موافق) بنظر انصاف اور ٹھنڈے دل و دماغ سے اس تالیف منین کا مطالعہ کرے گا یقیناً اس کا ضمیر اسے یہ کہنے پر مجبور کر دے گا۔

۱۔ معترضین کے اس سلسلے کے جملہ اعتراضات ان کے حسد، ان کی علمی کم مائیگی، ان کی ضد، ان کی اکابر پرستی پر شاہد عادل ہیں اور معترض یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ایک طرف حضور پر نور سرور عالم و عالیشان و شفیع عامیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کی عزت و حرمت اور ناموس کا سوال ہے اور دوسری طرف اواخر تیرہویں اور چودھویں صدی کے علمائے دیوبند!!!

۲۔ فاضل مولف کے پیش کردہ تمام دلائل حقائق پر جتنی ہیں اور انہوں نے کسی مقام پر انصاف اور دیانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

۳۔ ہر فرقہ و گروہ کے علماء کو حضرت اختر کی طرح وزن دار بات کرنی چاہئے۔

۴۔ ”کلمہ حق“ میں گستاخانہ یعنی کفریہ عبارتوں کو ان کے سیاق و سباق کے ساتھ پیش کر کے ان سے برآمد ہونے والے مطالب، مغایم اور نتائج کو بالترتیب آسان لفظوں میں دیانت داری کے ساتھ پیش کیا ہے تاکہ عوام الناس بھی سمجھ سکیں کہ عبارتیں فی الواقع ایمان سوز ہیں یا ایمان افروز؟

۵۔ اس تالیف کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت اختر صاحب اس میدان کے شہسوار ہیں اور امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے غایت درجہ عقیدت رکھنے کے علاوہ ان کے حالات و مقامات

عالیہ اور ان کی بے پناہ دینی و ملی خدمات وغیرہم سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ یہاں ایک اہم حقیقت کو بیان کرنا بھی از بس ناگزیر ہے کہ آج کا دور الحاد کا دور ہے، دین کے رکھوالوں کو منصب، جاہ، مفاد اور زر کی ہوس لاحق ہو گئی ہے، جس کے باعث باطل عقائد کے لوگوں کا مشاغبہ (پرہیزگنڈا) اس قدر موثر ہو گیا ہے کہ کچھ حضرات اتحاد بین المسلمین کے نام پر عوام الناس کو اس مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں اور کچھ خاموشی اختیار کرنے میں ”بہتری“ سمجھتے ہیں اور بعض افاضل اس اہم ترین موضوع پر اظہار خیال ضروری خیال کرتے ہیں مگر خود سامنے آنا پسند نہیں کرتے۔ میرے ایک عالم و فاضل دوست نے اس موضوع پر بہت ہی اچھے انداز میں دعوت فکر دی مگر کسی اور کے نام سے۔۔۔ ایسے حالات میں جناب اختر کی جرات رندانہ قابلِ صمداد اور لائقِ مدد تحسین و تہنیک ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

ان حالات میں جناب محمد طفیل صاحب زید ملہ اور ان کے ساتھی نوجوان لائق ذکر ہیں، جنہوں نے ”کلمہ حق“ کو اپنے ادارہ ”غوثیہ رضویہ مصری شاہ لاہور“ کی جانب سے ۱۹۸۷ء میں پہلی مرتبہ شائع کیا اور اب دوسری بار اضافہ شدہ ایڈیشن کو غالباً وہی منظر عام پر لا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر اور اجر عظیم سے نوازے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

آخر میں ”مولوی صاحبان سے“ یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ وہ تالیف کتب میں علم و دیانت کے تقاضوں کو پورا کیا کریں، جیسا کہ پیش نظر تالیف میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔۔۔ کتابوں کے حوالے اصل کتابوں کو پیش قدم خود دیکھ کر نقل کیا کریں اور انہیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ علم اب ہر طبقے کے افراد کے پاس پہنچ چکا ہے۔ تحقیق کے انداز اور طریقے کو وہی لوگ خوب جانتے پہچانتے ہیں جنہیں آپ اپنی مساجد میں ”بت کچھ“ کہتے ہیں۔۔۔ مگر حقیقت

” خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے محترم و مکرم جناب اختر صاحب شاہجہان پوری ایک سرکاری سکول میں خدمت تدریس پر مامور ہیں اور ”راج الوقت مولیت“ سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اس تالیف میں حق و صداقت کو ہر موقع پر ملحوظ رکھا ہے اور اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت، فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ جو ایک سچے عاشق رسول تھے، کی ایمانی تحریروں کا دفاع صرف اس لئے کیا ہے کہ اس قدسی صفات بزرگ نے ”علمائے دیوبند“ کا تعاقب صرف اور صرف اس لئے کیا تھا کہ انہوں نے یقیناً ”سب کے آقا مولیٰ“ مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس و ارفع و اعلیٰ میں واقعہ گستاخی کا ارتکاب کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مفتی اعظم پاکستان سید ابوالبرکات صاحب اور شیخ الحدیث حضرت سردار احمد صاحب (رحمہما اللہ) نے ان گستاخوں سے وقتی و عارضی اتحاد کو بھی جائز قرار نہیں دیا تھا۔ بعد میں مناظر اسلام جناب صوفی اللہ رحمہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی فکر، اسی مسئلہ اور اسی عقیدے کی تبلیغ فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کسی ”نام نہاد اتحاد“ میں شمولیت کی غلطی کی گئی، اس کا نتیجہ اہل سنت اور پاکستان کے سراسر خلاف نکلا۔ ”تحریک ختم نبوت“ ۱۹۵۳ء کے اتحاد کی بناء پر ان ”مولویوں“ کو جو ”نظریہ پاکستان“ کے سخت مخالف تھے۔ عوام کے سامنے آنے کا موقع مل گیا اور اسی اتحاد کی بدولت ”شیعہ فضلاء“ کو بھی امام باڑوں سے باہر آکر کام کرنے کی تربیت ملی اور اب وہ ایک طاقت بن چکے ہیں اور وہ اپنا ہر مطالبہ منوا کر ہی دم لیتے ہیں۔

۱۹۷۷ء میں ”قوی اتحاد“ معرض وجود میں آیا۔ اہل سنت (ملک کی غالب اکثریت) کا صرف ایک ستارہ آسمان پاکستان پر نظر آیا۔ جو بہت جلد آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ یعنی اہل سنت کی قسمت کا ستارہ ڈوب گیا۔۔۔ اب ۲۷ فردری ۱۹۸۹ء کو راولپنڈی میں ایک اور ”اتحاد علماء“ کی خبر آئی ہے مگر یہ اتحاد سابقہ

یہ ہے کہ آپ کی کمزور، غلط بیانیوں سے پُر اور محض جانب دارانہ تالیفات کے مطالعہ کے بعد جدید طبقہ کے اہل علم کو آپ پر بالکل اعتماد نہیں رہا۔ اس بے اعتمادی کی ایک مثال مشہور محقق و دانشور پروفیسر محمد اقبال مجددی صاحب نے احقر سے بیان کی تھی۔ وهو هذا۔

ایک روز (مجددی صاحب) بسلسلہ خریداری کتب ایک کتاب فروش کے پاس کھڑے تھے کہ ایک صاحب آئے اور کتاب فروش سے کہا کہ ”میرے ایک دوست جو امریکہ میں رہتے ہیں“ نے رد قادیانیت پر کوئی نہایت ذمہ دارانہ اور محققانہ کتاب طلب کی ہے، آپ کوئی معیاری کتاب دیں۔ اس پر تاجر کتب نے جناب ابوالحسن علی ندوی صاحب کی تالیف ”قادیانیت“ دکھائی تو اس شخص نے کہا۔ ”یہ تو کسی مولوی کی لکھی ہوئی ہے اس میں حوالے ضرور توڑ مروڑ کر پیش کئے گئے ہوں گے، کسی پروفیسر کی تصنیف ہو تو دیں۔“ یہ کہا اور کتاب ”قادیانیت“ کو نفرت سے پھینک کر چلتا ہوا۔

میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ ”قادیانیت“ میں درج تمام حوالہ جات و اقتباسات درست و صحیح ہیں (۱)۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شخص نے ”البریلویہ“ اور اس جیسی چند اور کتابوں میں منقول اقتباسات کو اصل کتابوں سے ملا کر دیکھ لیا ہو گا اور اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہو گی کہ ”سارے کے سارے مولوی اسی طرح کی غلط بیانیاں کرتے ہیں۔“ اس طرح کے نام نہاد علماء اور مبلغین اسلام کی غیر ذمہ دارانہ تحریروں اور تقریروں کے باعث صحیح لکھنے اور سچ بولنے والوں پر سے بھی پڑھے لکھے لوگوں کا اعتماد اٹھ گیا ہے۔ اگر آپ یونہی ”تقویٰ بر طرف“ لکھتے رہے اور دیانت برخواست تقریریں کرتے رہے اور مفتی حضرات فاتحہ کی سنت پر عمل پیرا ہونے کی بجائے پلاٹ (۷) حاصل کر کے ”دین کی خدمت“ میں لگن رہے تو خدا را سوچئے پھر کیا حشر ہو گا؟ دعوت اسلام کس کو دی جائے گی؟ تبلیغ کس کو کی جائے گی؟ کون آپ کی بات سنے گا؟

اتحادوں سے کمزور اور غیر موثر ثابت ہوگا اس لئے کہ نام نہاد "اسلامی اتحاد" (جو فی الحقیقت "جماعت اسلامی کے وارے نیارے اتحاد" ہے) اور شیپن پارٹی دونوں نے "فتویٰ ہاز" مولوی خرید لئے ہیں، لیکن یہ لایعنی اتحاد بھی ہمارے تشخص کو مزید نقصان پہنچا کر مخالفین اہل حق کے اثرات کو خافیاہوں تک پہنچا دے گا یعنی پہلے اتحادوں کے نتیجے میں دیوبندیوں کا صرف مساجد میں عمل دخل بڑھا تھا اب انہیں خافیاہوں کا راستہ خود ہی دکھا دیا گیا ہے اور اس سے بہت پہلے شیعوں نے خافیاہوں پر قابض ہونے کے لئے بہت کچھ کیا ہوا ہے اور وہ اپنا اثر و نفوذ اس قدر بڑھا چکے ہیں کہ پاکستان کی ایک تہائی خافیاہیں ان کے معتقدات کی تبلیغ کے مراکز بن چکی ہیں۔ بہر حال آئندہ کا مورخ یہ بتائے گا کہ اہل سنت کی میراث سے شیعوں کو کیا اور کتنا ملا اور دیوبندیوں نے کس قدر پایا!

فی الحقیقت پیش نظر تالیف صرف اعلیٰ حضرت بریلوی کا دفاع ہی نہیں بلکہ جذبہ حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحت گستاخوں سے بیزارگی کا اظہار بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم مولف کی اس سعی کو منظور و مقبول اور قارئین کرام کے لئے موجب ہدایت بنائے۔ آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

خاک راہ درو منداں: — محمد موسیٰ عفی عنہ

داتا کی نگری

۸ شعبان المعظم ۱۳۰۹ھ

حواشی

۱۔ ان دنوں احقر نے بھی ایک مضمون لکھا تھا جو قلمی نام سے "سواد اعظم" میں چھپا تھا۔ حضرت ابو الطاہر فدا حسین صاحب نے اپنے موقر ماہنامے "مرد ماہ" لاہور میں شورش صاحب کو زور دار تنبیہ کی تھی اور ایک بڑی تند و تیز نظم بطور جواب آں غزل ہفتہ وار "طوفان" ملتان کے لئے لکھی، مگر اس وقت کے وزیر قانون شیخ خورشید نے یہ جنگ بند کرانے میں خیر سمجھی اور وہ نظم چھپنے سے رہ گئی۔

۲۔ محمد دیوبندی مکتبہ فکر کے استاد تاریخ پروفیسر محمد اسلم صاحب لکھتے ہیں: "یہ عمارات (۱) دیکھنے کے بعد حکیم محمد موسیٰ امرتسری سیکرٹری مجلس رضا پاکستان کو خط لکھا کہ آپ لوگوں نے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے، یہاں تو کچھ بھی نہیں۔" (بھارت کا سفر نامہ، مطبوعہ ماہنامہ "الحق" اکوڑہ ٹک اپریل ۱۹۸۵)

۳۔ اس اصطلاح کو حضرت بابا محمد اعظم نوشاہی میروالی نے اپنی بے مثل تالیف "بے مثل بشر" کے دیباچہ میں استعمال کیا ہے اور اعلیٰ حضرت نے "ملو" لکھا ہے۔

۴۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ طریقہ احقر نے محمدی و محترمی حضرت پیر غلام دستگیر نامی علیہ الرحمۃ سے سیکھا تھا۔ حضرت نامی دائرہ الاصلاح کی جانب سے تمام لٹریچر بلا قیمت فراہم کیا کرتے تھے آخر زندگی میں انہوں نے احقر کو نائب دبیر بنا دیا تھا۔

۵۔ محمدان راز کا بیان ہے کہ یہ عصر حاضر کے بعض علماء کی تالیف ہے اور اسے عوام سے خفیہ رکھا جاتا ہے۔ اس سے اس وقت استفادہ کیا جاتا ہے جب کسی مدرسہ کے صرف پانچ طالب علموں کو نہیں ظاہر کر کے خدمت دین کے لئے زکوٰۃ وصول کی جاتی ہے یا بغرض "تبلیغ اسلام" سنگروں سے مفاد حاصل کیا

بسم الله الرحمن الرحيم
نحمده و نصلى و نسلم على رسوله الكريم

کہنے کی بات

کچھ تصنیف کے بارے میں
کچھ مصنف کے بارے میں

۱۳۹۵ھ/ ۱۹۷۵ء میں مکتبہ فریدیہ، ساہیوال والے جناب حافظ نعمت علی صاحب کی معرفت کتاب ”الصوارم البندیہ“ دوبارہ منظر عام پر آئی جس کا بصیرت افروز دیباچہ فاضل شہیر علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری صاحب نقشبندی مجددی مظہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا جو مذکورہ کتاب کے سابقہ ۷۲ صفحات پر مشتمل تھا۔

۱۴۰۷ھ/ ۱۹۸۷ء میں، بارہ سال بعد، ادارہ غوثیہ رضویہ، لاہور والے جناب صوفی محمد طفیل صاحب نے مذکورہ معلومات افزا دیباچہ کو فاضل شہیر علیہ الرحمۃ کی تراجم و اضافات کے ساتھ ”کلمہ حق“ کے مبارک نام سے علیحدہ کتابی شکل میں شائع فرمایا اور دو ہزار کی تعداد میں چھپوا کر ملک بھر میں مفت تقسیم کیا۔ کتاب ”کلمہ حق“ ۱۲۸ صفحات پر مشتمل تھی۔

۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء میں، ”کلمہ حق“ کے محولہ بالانسخ کی نئی کتابت کرائی گئی..... اس کے چند مقامات پر احقر نے مختصر حواشی تحریر کئے، اب یہ کتابت ۱۶۸ صفحات پر محیط تھی..... ضروری سمجھا گیا کہ اس کے ساتھ حکیم اہل سنت، حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ”دیباچہ“ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی کا ”مقدمہ“ اور بعض علماء کرام اور اہل قلم حضرات کے تاثرات بھی شامل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اب اس کی ضخامت ۲۴۰ صفحات ہے۔

۱۔ حضرت صاحب جید عالم، حضرت شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی کے مرید صادق ہیں اور بیس پچیس سال پہلے جماعت اہل سنت پنجاب کے اہم عہدے پر فائز رہ چکے ہیں۔ آج کل لندن میں مسلک اہل سنت و جماعت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے مصروف عمل ہیں۔ (ادارہ)

۲۔ صوفی صاحب ماہنامہ ”القول السدید“ (لاہور) کے مدیر و منتظم ہیں اور محترم ہمارے لیے نہایت مہربان و متفقی ہیں اور اشاعت مسلک کے لیے خالصۃً لوجہ اللہ اعانت و شفقت فرماتے ہیں۔ (ادارہ)

جاتا ہے۔

۱۔ مگر جناب ابوالحسن علی ندوی صاحب کے والد جناب عبدالحی صاحب نے ”ترجمۃ الخواطر“ جلد ہشتم میں فاضل بریلوی کا ذکر کرتے ہوئے سخت جانب داری کا مظاہرہ کیا ہے۔

۲۔ ملاحظہ کیجئے ۲۳ اور ۲۶ جنوری کے اخبارات، خصوصاً ”جنگ لاہور“ پاکستان ٹائمز لاہور، ”مسادات“ لاہور۔

نقد آراء و اعتقادی مناقبت کی کئی رویند
بسم اللہ

تَقْدِيسُ لَوْكِلْ

عَنْ

تَوْهَيْنُ الرَّشِيدِ وَالْخَلِيلِ

رَضِيَّ

حضرت مولانا ابوبکر محمد غلام و شکر قندھاری رحمۃ اللہ علیہ

مؤید

شیخ الشیخ مترجم خواجہ شمس الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ، پابڑا شریف

مستند

شیخ احمد محمد حضرت مولانا حاجی امجد الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مستند

یہ کتاب علامہ اقبال اجماع اوقاف اوقاف اوقاف

خوری کتب خانہ

بالقابل دیوئے پیشین واد

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحت یابی کے لیے بزم رضویہ نے اپنی اشاعت نمبر ۷ یعنی ”سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس مبارک“ ۲۲ رجب المرجب کا ختم شریف کے میں اپیل شائع کی تھی.....

☆ فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد بزم نے محترم ظیل احمد رانا صاحب کی تصنیف ”حقی علی الصلوٰۃ“ کے آغاز میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے لیے نذر عقیدت شائع کی۔
☆ فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گرانقدر ضخیم تصنیف ”مشعل راہ“ (مطبوعہ لاہور) سے احقر نے رسالہ ”قادیانی دھرم“ مرتب کیا جسے بزم نے ۲۱ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ / یکم جولائی ۱۹۹۳ء کو سلسلہ اشاعت نمبر ۲۲ کے تحت شائع کیا۔ یہ بزم رضویہ اور احقر کو شرف حاصل ہے کہ سب سے پہلے آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک نیا رسالہ مرتب کر کے شائع کیا تھا۔ اس کے علاوہ اور رسائل مرتب کرنے کا ارادہ ہے ذرا فرمائیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ایسے تمام عزائم جلیلہ و مقاصد حسنہ کو بخیر و خوبی پایہ تکمیل تک پہنچائے۔

☆ ۱۵ جمادی الاول ۱۴۱۴ھ / ۲۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو احقر نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ ”حق اشتریک ہے“ مرتب کیا جسے بزم نے ۱۲ جمادی الآخر ۱۴۱۳ھ / ۷ نومبر ۱۹۹۳ء کو اپنے سلسلہ اشاعت نمبر ۲۳ کے تحت شائع کیا جس میں

”انتساب“

فاضل شہیر علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء) کے نام مبارک سے بعد عقیدت کیا گیا تھا.....

☆ اور اب ادارہ، فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف ”کلمہ حق“ کو پہلی بار دوبارہ چھپا دیا۔ مقدمہ اور تاثرات کے ساتھ شائع کر رہا ہے۔

یہ ہے حضرت علیہ الرحمۃ سے بزم رضویہ اور احقر کے دیرینہ تعلقات کی مختصر روئیداد۔ اسی تعلق خاطر کی بناء پر راقم السطور کی پر زور خواہش تھی کہ اس بلند پایہ تصنیف کو دوبارہ ضرور شائع کیا جانا چاہئے جسے برادر محمد سلیم جلالی صاحب نے عملی جامہ پہنایا ہے..... اس کتاب کی اشاعت کا بیڑہ جب اٹھایا تو فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے صاحبزادے محترم غلام مصطفیٰ صاحب نے اس کی کتابت

۱۔ مولفین: مرشدی و مولائی، خلیفہ محدث اعظم، مولانا ابو محمد محمد عبدالرشید قادری مدظلہ العالی، محمد رفیق شیخ خفی قادری، (طبع: ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۲ء باراقل)

☆ ”حسام الحرمین علی منکر الکفر والہین“ (۱۳۲۳ھ) علماء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی تقاریر و تصدیقات پر مشتمل تھی۔

☆ ”الصوارم الہندیہ“ (۱۳۳۵ھ) متحدہ ہند کے دوسواڑ سٹھ علماء اہل سنت و جماعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی تصدیقات و تائیدات پر مبنی تھی۔

☆ اور اب ”کلمہ حق“ (اشاعت حاضرہ: ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ / ۲۰۰۱ء) میں بائیس علماء کرام و اہل قلم حضرات کے گرانقدر تاثرات شامل کئے جا رہے ہیں جنہیں ”تقدیس الوکیل عن توہین الرشید و الخلیل“ (۱۳۵۵ھ) ”قادیانی الحرمین برحف ندوۃ الہین“ (۱۳۱۷ھ) ”حسام الحرمین علی منکر الکفر والہین“ (۱۳۲۳ھ) ”الصوارم الہندیہ“ (۱۳۳۵ھ) اور ان جیسی دیگر تصانیف مبارکہ کے سلسلہ طیبہ کی تازہ کڑی سمجھنا چاہیے..... یہ بات ذہن نشین رہے کہ فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (وصال ۱۴۱۳ھ / ۱۹۹۳ء) کے صاحبزادے جناب غلام مصطفیٰ صاحب اور آپ کے عقیدت مند جناب محمد کاشف رضا صاحب کے پاس اور شخصیات کے بھی غیر مطبوعہ تاثرات محفوظ ہیں۔ ان کی چونکہ کتابت نہیں ہوئی اور وقت کی کمی کے باعث فی الحال انہی کو شامل اشاعت کیا گیا ہے۔ اب ”کلمہ حق“ ۲۴۰ صفحات پر مبنی ہے۔ یہ ہے اس بلند پایہ تحقیقی مقالہ کا ربع صدی پہ محیط مختصر پس منظر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ہر تازہ اشاعت نے اضافات کے ساتھ شائع ہوئی ہے اور اب ایک بار پھر آپ کے سامنے نئی آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

فکرین کواہ!

فاضل شہیر علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہ جہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ بزم رضویہ، لاہور کا دیرینہ تعلق رہا ہے۔

☆ بزم رضویہ، بادامی باغ، لاہور کی بنیاد یکم جنوری ۱۹۹۲ء کو رکھی گئی۔ اس کے پلیٹ فارم سے، پہلے پہل دیگر اداروں کی مطبوعات اراکین میں تقسیم کی جاتیں تھیں۔ اس وقت فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف ”سیرت امام احمد رضا“ (علیہ الرحمۃ) اور ”خصائص کنز الایمان“ وغیرہ کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے زیر نگرانی چلنے والے ادارہ مرکزی مجلس امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کئی رسائل بھی تقسیم کئے گئے تھے۔ اس دوران ناظم اعلیٰ بزم ہذا، برادر محمد سلیم جلالی صاحب اور احقر کو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کئی بار ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

☆ جمادی الثانی ۱۴۱۳ھ / نومبر ۱۹۹۲ء میں فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سخت علیل تھے

حضرات گرامی!

بعض مقامات پہ ضروری خیال کرتے ہوئے مختصر حواشی تحریر کر دیئے ہیں۔ اگر آپ کو یہ غیر ضروری اور تحریر سے غیر متعلقہ محسوس ہوں تو اس کی ذمہ داری سراسر راقم السطور پہ بنی سمجھیے، جس کے لیے پیشگی معذرت خواہ ہوں..... ہاں اگر پسند فرمائیں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ۔

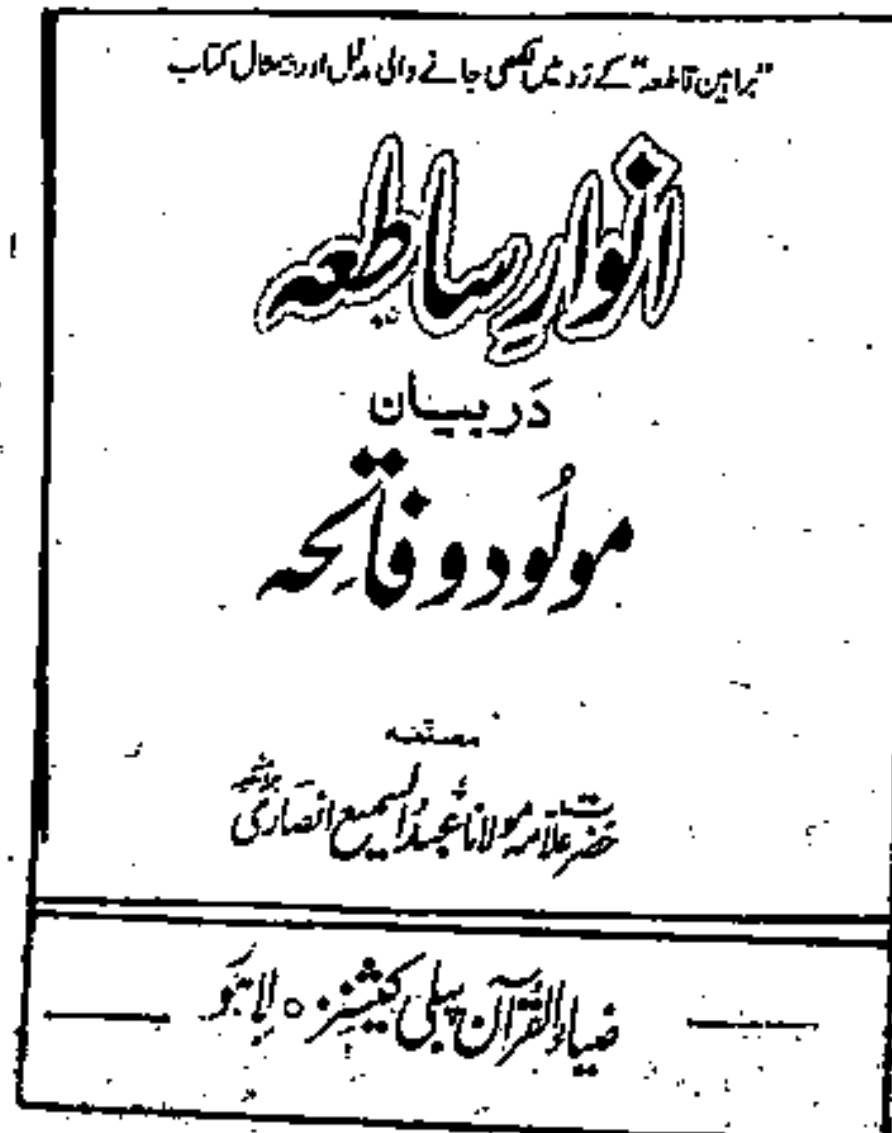
تمام مضمون میرے پرانے، کلام میرا خطا، سراپا!
ہنر کوئی دیکھتا ہے مجھ میں تو عیب ہے میرے عیب جو کا

(اقبال)

☆ بعض جگہ پہ درود و سلام نہ لکھا تھا، وہ لکھوا دیا ہے۔
☆ تحریر پہلے ہی جدید اسلوب کے مطابق تھی، پھر بھی اسے اور جاذب نظر، جدید تر اور زیادہ موثر بنانے کی اپنی سی کوشش کی ہے۔ پسند فرمائیں تو فاضل شہیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ ساتھ اس عاجز و ناکارہ کے لیے بھی دعا فرمائیں۔

گدائے در اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ
محمد رفیق شیخ حنفی قادری
ایم اے (معاشیات)

بروز جمعۃ المبارک
۲۱ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ
۷ دسمبر ۲۰۰۱ء



مرحمت فرمائی مگر افسوس اس کو شائع کرنا خاصا مشکل تھا اور دو گنا مصارف کے بعد بھی خدشہ تھا کہ مطلوبہ معیار شاید حاصل نہ ہو سکے چنانچہ "کلہ حق" کا ایک نسخہ صوفی محمد طفیل صاحب مدظلہ العالی نے اپنے ریکارڈ سے مرحمت فرمایا۔ محمد سلیم جلالی صاحب نے یہ نسخہ کمپوزر کو کتابت کے لیے دے دیا۔ کمپوزر کی دکان میں اہل سنت و جماعت کی علامت اسٹکرز چسپاں تھے۔ کتابت کا پہلا پروف ملنے تک بعض قریبی احباب کی بدولت یہ کھل چکا تھا کہ کمپوزر رافضی ہے.....

اب کیا کیا جاسکتا تھا۔ بس پہلے پروف کی اغلاط کی نشاندہی کر کے کتابت لوٹا دی..... دوسرا پروف دیتے وقت کمپوزر صاحب کا پُر زور اصرار تھا کہ اسی کو فائنل پروف قرار دے کر ٹریننگ پیپر پر لے لیں مگر اس کی بات ہرگز نہ مانی اور اسے احتیاطاً دوسرا پروف نکالنے کے لیے کہا۔ اگرچہ اس کے عزائم اچھے نظر نہیں آ رہے تھے مگر بقدر ہونے پر اس نے دوسرا پروف دیا..... اس کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوا کہ کئی غلطیاں درست نہیں کی گئیں تھیں۔ لکھا کسی لفظ کو درست کرنے کے لیے تھا اور موصوف نے مشق آزمائی کسی دوسرے لفظ پہ کی گئی تھی۔ بعض جگہ نہایت فاش غلطیاں تھیں۔ حتیٰ کہ بعض مقامات پر علماء حق کے اسماء مبارکہ کے علاوہ علماء سوء کے ناموں کے ساتھ بھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھ دیا تھا..... مختصر یہ کہ اس دوسرے پروف کو از سر نو غور سے دیکھنا پڑا.....

دونوں پروف اس رافضی کو دکھائے تو لگا آئیں بائیں شائیں کرنے۔ معذرت کرنے لگا کہ نادانستگی میں یہ سب ہوا ہے۔ درستگی کے لیے پروف لینے کے بعد کچھ دنوں تک ان کی گمشدگی کا ڈرامہ رچا دیا..... ہمارے دوست صوفی محمد بشیر نقشبندی صاحب سے اس ضمن میں ذکر ہوا تو انہوں نے تسلی و تشفی دی کہ "وہ شخص اس بارے میں جھوٹ بک رہا ہے۔ اور دو تین دنوں میں خود ہی مان جائے گا۔ صوفی صاحب اس شخص کو جانتے تھے نہ اس کی دکان، مقام سے واقف تھے۔ بہر حال ان کا وجدان صحیح نکلا..... پہلی مرتبہ ایسی کوفت ہوئی جو کہ ناقابل بیان ہے۔ بے ساختہ مولانا محبوب علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مرتب کردہ 'باقیات رضا' (سن ترتیب: ذوالحجہ ۱۳۳۲ھ/۱۹۲۳ء) کو ایک بد مذہب کے پریس سے چھپوانے کا ماجرا یاد آ گیا..... توبہ کی کہ پھر کسی اجنبی شخص سے ایسی خدمات لیتے ہوئے حتیٰ المقدور تحقیق کریں گے۔ نیز تنبیہ ہوئی کہ حقیقتاً ایسے کاموں میں کس قدر احتیاط ضروری ہوتی ہے.....

ابھی سابقہ اشاعت "عصری سائنسی تحقیق اور سیرت مصطفیٰ ﷺ" کے حوالہ سے دم بھر پانس لینے کی فرصت ملی تھی کہ یہ مسئلہ آن پڑا۔ اگر یہ کتاب یونہی شائع ہو جاتی تو کس قدر دوسرے مول لینا پڑتا۔ اللہ اللہ کر کے فائنل پروف ملا، اسے پھر احتیاطاً دیکھا، ابھی بھی بعض جگہوں پر کچھ غلطیاں بدستور موجود تھیں..... انہیں درست کر دیا گیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حرف آغاز

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ اِذَا بَعْدُ:

حافظ نعمت علی صاحب زید مجدہ نے ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں ”الصوارم الہندیہ“ نامی کتاب شائع کی جس کا ”دیباچہ“ راقم الحروف سے لکھوایا تھا جو مذکورہ کتاب کے سابقہ ۷۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ بعض احباب کا اصرار ہوا کہ ہم اس ”دیباچہ“ کو علیحدہ کتابی شکل میں لانا چاہتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ افراد اس سے استفادہ کر سکیں۔ احقر نے ان حضرات کی خواہش کے پیش نظر مذکورہ دیباچے پر نظر ثانی کر کے بعض مقامات پر ترمیم و اضافے بھی کر دیئے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مناسب نظر آیا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) نے جن عبارتوں کی بنا پر مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) کے ساتھ جن چار علمائے دیوبند کی تکفیر بھی کی تھی ان کی اصل عبارتوں کو ان کے سیاق و سباق سمیت پیش کر دیا جائے اور عام فہم لفظوں میں ان کا حقیقی مفہوم واضح کر دیا جائے تاکہ عام لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ مصنفین نے ان عبارتوں میں کیا کہا تھا۔ اختصار کے سبب ہم یہاں ان سے متعلقہ تاویلات کا جائزہ نہیں لیں گے کیونکہ اس کام کے لیے ہماری کتاب ”کھلا خط“ مخصوص ہے جو منظر عام پر آنے کے لیے پرتول رہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ جل شانہ --- چنانچہ مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) نے اپنی کتاب ”تذییر الناس“ میں لکھا ہے:-

”بعد حمد و صلوٰۃ کے قبل عرض جواب یہ گزارش ہے کہ اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو۔ سو عوام کے

حکیم اہل سنت سے بیوفائی

حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی، جنہیں شیخ العرب والعجم قطب مدینہ شاہ ضیاء الدین احمد قادری رضوی مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”حکیم اہل سنت“ کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ حکیم صاحب موصوف نے ”مرکزی مجلس رضا“ کے نام سے ایک تبلیغی ادارہ قائم کیا جس کی اپنے خون جگر سے آبیاری کی اور اہل سنت کو ”انقلاب از کتاب“ کا درس دیا اور ہر محاذ پر علمی، دینی اور ملتی کام کرنے والوں کی راہنمائی کی چنانچہ آج اشاعت کتب کے سلسلے میں جو انقلاب نظر آ رہا ہے یہ حکیم صاحب ہی کی مساعی جلیلہ کا ثمرہ ہے۔ موصوف کے شائع کردہ لٹریچر کے اثرات برصغیر پاک و ہند کے علاوہ تمام مغربی ممالک میں بھی پھیل گئے اور مخالفین اہل سنت تو کیا مستشرقین نے بھی آپ کی اس قابل قدر خدمت کا اعتراف کیا۔ مگر جولائی ۱۹۸۶ء کے آخر میں حکیم صاحب نے ”مجلس رضا“ سے لاتعلقی کا اعلان کر کے درویشان اہل سنت کو یاس و ناامیدی میں مبتلا کر دیا۔

حکیم صاحب سے قبل کئی اہل حق نے بھی اسی طرح دل برداشتہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ اس افسوسناک صورت حال کے پیش نظر ہم ایک ایسی کتاب مرتب کرنا چاہتے ہیں جس سے عوام الناس اس کے اسباب و وجوہ جان کر حق و باطل میں صحیح امتیاز کر سکیں۔ حکیم صاحب کے وہ احباب جو ان کی بددلی کے اسباب جانتے ہیں۔ وہ حقائق پر مبنی اپنے رشحات قلم ہمیں ارسال فرمائیں۔ جن حضرات کے علم میں حکیم صاحب کی طرح کے دیگر حضرات پر مظالم اہل سنت کے واقعات محفوظ ہوں، وہ بھی یہ دل خراش یادیں تحریر کر کے ہمیں بھیجیں تاکہ آئندہ نسلوں کی راہنمائی کے لیے ہماری یہ پیش کش نشان راہ ثابت ہو۔

نوٹ: اہل قلم حضرات اپنے مقالات حسب ذیل پتہ پر ارسال کریں

۱۴۰۷ھ ہجری قمری ادارہ غوثیہ رضویہ مکان نمبر ۲۰ گلی نمبر B/۲۲

کرم پارک مصری شاہ لاہور ۱۹۸۷ء

سد باب مذکور منظور ہی تھا تو اس کے لیے اور جیسوں موقع تھے۔ بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخیر زمانی اور سد باب مذکور خود بخود لازم آ جاتا ہے اور فضیلت نبوی دو بالا ہو جاتی ہے۔“

اگر نانوتوی صاحب کی مخالفت و موافقت اور محبت و نفرت کو بالائے طاق رکھ کر ”تخذیر الناس“ کی اس طویل عبارت کو دیکھا جائے تو ہر اردو خوان قاری کے پردہ ذہن پر اس سے یہ مفہوم و مطالب ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت پر ایمان رکھنا جس پر تیرہ سو برس سے امت محمدیہ کا اجماع چلا آ رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا زمانہ تمام سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سب میں آخری نبی ہیں یہ نانوتوی صاحب کے مطابق عوام کا خیال ہے اور یہ عقیدہ رکھنے والے نانوتوی صاحب کے نزدیک اہل فہم نہیں ہیں۔

(۲) نانوتوی صاحب کے نزدیک جو حضرات اہل فہم ہیں ان پر روشن ہے کہ کسی نبی کے پہلے یا سب سے بعد میں آنے کے اندر بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے۔

(۳) اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بلحاظ زمانہ سب سے آخری نبی مانا جائے تو اس صورت میں وَلَٰكِنْ رَّسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ کا مقام مدح میں ہونا بقول نانوتوی صاحب صحیح قرار نہیں پاتا۔

(۴) نانوتوی صاحب کے نزدیک اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے بلحاظ زمانہ آخری نبی ہونے کو اوصاف مدح میں شمار نہ کیا جائے اور اس آیت کو مقام مدح قرار نہ دیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا صحیح ہو سکتا ہے۔

(۵) نانوتوی صاحب خود بھی یہ جانتے تھے کہ اہل اسلام اس بات کو گوارہ نہیں کریں گے۔

خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانے میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں ”وَلَٰكِنْ رَّسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ“ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبار تاخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہل سلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے۔ آخر اس وصف میں اور قد و قامت و شکل و رنگ و حسب و نسب و سکونت وغیرہ اوصاف میں جن کو نبوت یا اور فضائل میں کچھ دخل نہیں۔ کیا فرق ہے جو اس کو ذکر کیا اوروں کو ذکر نہ کیا۔ دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب نقصان قدر کا احتمال کیونکہ اہل کمال کے کمالات ذکر کیا کرتے ہیں اور ایسے ویسے لوگوں کے اس قسم کے احوال بیان کیا کرتے ہیں اعتبار نہ ہو تو تاریخوں کو دیکھ لیجئے۔

باقی یہ احتمال کہ یہ دین آخری دین تھا اس لیے سد باب اتباع مدعیان نبوت کیا ہے جو کل کو جھوٹے دعویٰ کر کے خلاق کو گمراہ کریں گے ... البتہ فی حد ذاتہ قابل لحاظ ہے پر جملہ مَاسْکَانِ مُحَمَّدًا اَبَا اَخِي مِنْ رِجَالِكُمْ اور جملہ وَلَٰكِنْ رَّسُولُ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ میں کیا تناسب تھا جو ایک کو دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر

ایسا مذکورہ سدباب کے باعث لازم آرہا ہے لہذا اس آیت مبارکہ کے متعلق موصوف یہ نہیں مان سکتے کہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جھوٹے مدعیان نبوت کا سدباب کیا ہو۔

(۹) اگر اللہ تعالیٰ جل شانہ کو یہ سدباب منظور ہوتا تو نانوتوی صاحب کے نزدیک قرآن کریم میں اور بیسیوں موقع تھے لیکن وہاں اس بات کا سدباب نہیں کیا جبکہ اس آیت مبارکہ میں تو موصوف کے نزدیک مذکورہ سدباب کا موقع ہی نہیں تھا۔

(۱۰) اب موصوف دلی راز ظاہر کرتے ہیں کہ خاتمیت کی بنیاد ہی دراصل اور بات پر ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ذہن میں بھی نعوذ باللہ نہ آئی اور خواہ مخواہ لَا نَبِيَّ بَعْدِي سے اپنے خاتم ہونے کا مفہوم سمجھاتے رہے اور کبھی اپنے آپ کو قصر نبوت کی آخری اینٹ بتاتے رہے۔ اسی خاتمیت پر خواہ مخواہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اجماع کر بیٹھے اور اسی کو خواہ مخواہ امت محمدیہ نے اپنا عقیدہ بنائے رکھا۔ ... اسے ضروریات دین سے ٹھہرا لیا۔ اور اس کے منکر بلکہ اس کے معنی میں تاویل کرنے والے کو بھی کافر و مرتد قرار دیتے رہے چونکہ یہ سارے ہی نانوتوی صاحب کے نزدیک عوام تھے اور اہل فہم نہیں تھے اسی لیے وہ اصلی خاتمیت کو معلوم ہی نہ کر سکے۔ انہیں تو اتنا بھی نعوذ باللہ معلوم نہ ہو سکا کہ خاتمیت کی بنیاد کس بات پر ہے۔ تیرہ صدیاں گزرنے پر وہ اصلی خاتمیت نانوتوی صاحب کو معلوم ہوئی ہے جس سے تاخر زمانی اور مذکورہ سدباب خود ہی لازم آجائے گا۔ اور خدا جل شانہ سے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی افضلیت دو بالا نہ ہو سکی لیکن نانوتوی صاحب ”اصلی خاتمیت سے سرفراز کر کے“ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی افضلیت کو دو بالا کر کے چھوڑیں گے۔

حضرات گرامی!

یہ ہیں نانوتوی صاحب کی مذکورہ طویل عبارت کے مضمرات ... یہ ہے اللہ جل شانہ اور اس کے آخری رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اور تیرہ سو سالہ امت محمدیہ یعنی

کیونکہ آخری نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ماننے میں ان کے نزدیک ایک قباحیت تو یہ ہے کہ نعوذ باللہ خدا کی جانب زیادہ گوئی یعنی فضول باتیں بنانے کا وہم ہوتا ہے کیونکہ آخری نبی صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہونے کا تو قد و قامت، شکل و رنگ، حسب و نسب اور سکونت وغیرہ کی طرح نبوت تو کیا دیگر فضائل میں بھی کوئی دخل نہیں۔

(۶) جب قد و قامت اور شکل و رنگ وغیرہ باتوں کا خدا جل شانہ نے ذکر نہیں کیا جن کا نبوت اور فضائل میں کوئی دخل نہیں تو آخری نبی ہونا بھی بقول نانوتوی صاحب ان جیسی ہی بات ہے جس کا نبوت اور فضائل میں کوئی دخل نہیں ہے۔ لہذا اس آیت میں موصوف کے نزدیک خدا جل شانہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

(۷) نانوتوی صاحب کے نزدیک آخری نبی ماننے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان گھٹ جانے کا احتمال ہے کیونکہ اہل کمالات کے کمالات بیان کیے جاتے ہیں اور کمالات سے محروم لوگوں کے متعلق ایسی ویسی باتیں کہی جاتی ہیں۔ چونکہ آخری نبی ہونا موصوف کے نزدیک کمال کی بات نہیں بلکہ محض ایسی ویسی بات ہے لہذا اس آیت مقدسہ میں خدا جل شانہ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے متعلق نہیں کہا ہوگا۔

(۸) ہاں یہ احتمال کہ یہ آخری دین ہے اس لیے جھوٹے مدعیان نبوت کا اس آیت میں سدباب کیا ہو جو کل کو جھوٹے دعوے کر کے لوگوں کو گمراہ کریں گے تو یہ بات کسی حد تک نانوتوی صاحب کے نزدیک قابل لحاظ ہو سکتی تھی لیکن ان کے نزدیک ہے یہ بات بھی نہیں کیونکہ اگر یہ بات اس آیت میں ہوتی تو جملہ ”مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّنْ دَجَالِكُمْ“

اور جملہ ”وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ“ میں کوئی تناسب نہیں رہتا اور یہ دونوں جملے ایک دوسرے پر عطف نہیں ہو سکتے تھے اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار نہیں دیا جاسکتا تھا کیونکہ یہ بے ربطی ہے جبکہ خدا کے کلام معجز نظام میں ایسی بے ارتباطی متصور نہیں اور

۱۲۔ نانوتوی صاحب سے پہلے کسی کو بناء خاتمیت معلوم نہیں ہو سکی تھی اور سب اندھیرے میں تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے۔

۱۳۔ اب تیرہ صدیوں کے بعد موصوف ہی کو بناء خاتمیت معلوم ہوئی جس سے تاخر زمانی اور مذکورہ سدباب خود بخود لازم آ جاتا ہے۔

۱۴۔ خدا تعالیٰ جل شانہ سے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی افضلیت دوبالا نہ کی جاسکی لیکن نانوتوی صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسی خاتمیت سے سرفراز کر دیا ہے جس کے باعث اب افضلیت نبوی دوبالا ہو جائے گی۔۔۔

نانوتوی صاحب نے اس کے بعد یوں لکھا ہے:-

”موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتب اور مستعار نہیں ہوتا۔“ ۱

”سو اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے یعنی آپ موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور سو آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض اوروں کی نبوت آپ کا فیض ہے پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلہ نبوت ختم ہو جاتا ہے۔“ ۲

ان دونوں عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی خاتمیت و نبوت کو بالذات اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی نبوت کو بالعرض قرار دیا ہے۔ موصوف نے دعویٰ نبوت کے لیے چور دروازہ بنایا۔ ”تذویر الناس“ کتاب

۱۔ محمد قاسم نانوتوی، مولوی ”تذویر الناس“ مذکورہ ص ۴

۲۔ محمد قاسم نانوتوی، مولوی ”تذویر الناس“ مذکورہ ص ۴

صحابہ کرام تابعین عظام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) آئمہ مجتہدین اولیائے عارفین اور علمائے کاملین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف موصوف کی محاذ آرائی کما

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ملحوظ زمانہ آخری نبی ماننے والے عوام

ہیں۔

۲۔ اہل فہم نہیں ہیں۔

۳۔ آخری نبی ہونے میں بالذات کوئی فضیلت نہیں ہے۔

۴۔ آخری نبی ماننے سے وَلَٰكِنْ رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ کا مقام مدح میں

فرمایا جانا صحیح نہیں ہو سکتا اور

۵۔ اس آیت کو مقام مدح قرار نہیں دیا جاسکتا۔

۶۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو آخری نبی ماننے سے خدا کی زیادہ کوئی

کا وہم ہوتا ہے کیونکہ آخری نبی ہونے کو نبوت تو کیا دیگر فضائل میں بھی دخل نہیں۔

۷۔ اس سے موصوف کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان کے

گھٹ جانے کا احتمال ہے۔

۸۔ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو آخری نبی مانا جائے تو ...

نانوتوی صاحب کے نزدیک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کمالات سے خالی اور ایسے دیسے لوگوں میں ماننا لازم آتا ہے۔

۹۔ مذکورہ آیت مبارکہ میں اگر جھوٹے مدعیان نبوت کا سدباب مانا جائے تو اس کا

موصوف کے نزدیک اس آیت مقدسہ میں موقع نہیں تھا۔

۱۰۔ اور ایسا ماننے سے ”قرآن مجید“ کو بے ربط کتاب ماننا لازم آتا ہے۔ ۱۱۔ اگر

مذکورہ سدباب ہی منظور ہوتا تو قرآن کریم میں اس کے دیگر بیسیوں مواقع تھے لیکن خدا جل شانہ

نے وہاں اس بات کا سدباب نہیں کیا۔

۱۲۹۰ھ میں منظر عام پر آئی..... پورے ملک میں شور و غل ہوا کیونکہ متحدہ ہندوستان سنیوں حقیوں سے بھرا ہوا تھا اور تیرہ صدیاں گزرنے والی تھیں کہ پہلی دفعہ یہ غیر اسلامی آواز اور نئی خاتمیت سننے میں آئی۔ علمائے کرام رد و تردید میں خوب سرگرمی دکھا رہے تھے۔ عقیدہ خاتمیت کا پوری جرات سے دفاع کر رہے تھے کہ ۱۲۹۹ھ/۱۸۷۹ء میں مولوی محمد قاسم نانوتوی صاحب نبوت کا دعوے کیے بغیر یہ کہتے ہوئے راہی ملک عدم ہو گئے۔

قسمت تو دیکھئے کہاں پہ ٹوٹی ہے کند
دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

اب برٹش گورنمنٹ کو ایسے ہی دوسرے جرات مند کی ضرورت محسوس ہوئی تو مرزا غلام احمد قادیانی صاحب (المتوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) مل گئے۔ انہوں نے ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء سے اپنا کام شروع کر دیا... جے نانوتوی صاحب والے چور دروازے سے پورا فائدہ اٹھایا لیکن اس کے نام میں تھوڑی سی تبدیلی کر لی کہ بالذات اور بالعرض کی جگہ ”اصلی“ اور ”ظلی بروزی“ کی اصطلاح استعمال کرنے لگے۔ خاتمیت مرتبی و زمانی کی جگہ ”تشریحی“ اور ”غیر تشریحی نبی“ کی اصطلاح آگئی یعنی نانوتوی صاحب کی روح سے معذرت کے ساتھ (۱)

خیر یہ بات تو برسبیل مذکرہ نوک قلم پر آگئی۔ آگے نانوتوی صاحب نے خاتمیت کے

جے محمد شفیع مفتی: ”ختم نبوت کامل“ اشاعت چہارم مطبوعہ کراچی ۱۶ ص

۱۔ اگر مرزا غلام قادیانی کذاب نے اپنے فکری پیشرو نانوتوی سے اس طرح بھرپور استفادہ کیا تھا تو اشرعی صاحب بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہے چنانچہ انہوں نے نانوتوی صاحب کے نظریاتی جانشین مرزا غلام قادیانی کی کتب سے حرف بحرف اقتباسات کثیرہ لے کر ”الصارح اھلہ للہاکام المنقلیہ“ تحریر کی..... اس کی تفصیلات درج ذیل تصانیف میں ملاحظہ کریں۔

(۱) ”کلمات اشریہ“ (پمفلٹ) عبداللہ امین ذلی، مطبوعہ لاہور

(۲) ”اقبال“ قائد اعظم اور پاکستان“ راجہ رشید محمود، نذیر سنز پبلشرز لاہور

(۳) ”حضرت تھانوی کی مرزا قادیانی کی کتب سے خوشیہ چینی“ پروفیسر ڈاکٹر محمد سلطان شاہ:

ماہنامہ ”نعت“ لاہور جلد ۱۳، شمارہ دہم، اکتوبر ۲۰۰۰ء، تحقیق اسمرقہ نمبر۔ یہ پورا شمارہ پروفیسر ڈاکٹر مذکورہ کا تحریر کردہ ہے۔

(۴) ”تھانوی“ قادیانی کی دلیلیں پر“ افضل شاہ صاحب۔ یہ تحریر ماہنامہ ”الاستقلال السبیل“ (مصری شاہ) لاہور کے تین شماروں میں قسط وار شائع ہوئی تھی (رفیق)

متعلق یوں لکھا ہے:-

”اور مجھ سے پوچھئے تو میرے خیال ناقص میں تو وہ بات ہے کہ سامع منصف انشاء اللہ انکار ہی نہ کر سکے۔ سو وہ یہ ہے کہ تقدم تاخیر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی۔ یہ تین نوعیں ہیں باقی مفہوم تقدم و تاخیر ان تینوں کے حق میں جنس“ ۵

اس عبارت میں موصوف نے دعوی نبوت کی خاطر چور دروازہ بناتے ہوئے خاتمیت کی اپنی طرف سے تین قسمیں گھڑ لیں تاکہ ”لا نبی بعدي“ اور قصر نبوت کی آخری اینٹ والی خاتمیت زمانی کو غتر بود کر دیں اور اس پر جو لوگوں کا عقیدہ ہے اسے ہٹا سکیں۔ چنانچہ اسی مقصد کی خاطر وہ اسی عبارت سے پہلے متصلاً یوں لکھ چکے ہیں:

”اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا پر ایک مراد ہو تو شایان شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی“ ۶

اس عبارت میں موصوف نے صاف صاف بتا دیا کہ بطور اطلاق یا عموم مجاز تو دونوں طرح کی خاتمیت مراد لی جاسکتی ہے لیکن ایک ہی خاتمیت اگر مراد ہو تو شایان شان محمدی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) وہی خاتمیت ہے جو نانوتوی صاحب نے تیرہ صدیاں گزرنے پر گھڑی ہے اور جو خاتمیت اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے سمجھی اور سمجھائی تیرہ سو سال سے امت محمدیہ نے اپنے دلوں اور دماغوں کی زینت بنائی وہ موصوف کے نزدیک شایان شان محمدی نہیں ہے

آگے نانوتوی صاحب اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا یہ فائدہ بتاتے ہیں۔

۵ محمد قاسم نانوتوی: ”تحذیر الناس“ مذکورہ ۹ ص

۶ محمد قاسم نانوتوی: ”تحذیر الناس“ مذکورہ ۹ ص

”باندیشہ تطویل قدر ضرورت پر اکتفا کر کے عرض پرداز ہوں کہ اطلاق خاتم اس بات کو مقتضی ہے کہ تمام انبیاء کا سلسلہ نبوت آپ پر ختم ہوتا ہے جیسے انبیاء گذشتہ کا وصف نبوت میں حسب تقریر مسطور اس لفظ سے آپ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور اسی طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں اس زمین یا کسی اور زمین یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصف نبوت میں آپ کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلہ نبوت بہر طور آپ پر ختم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے۔ جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو لیا تو پھر سلسلہ علم و عمل کیا چلے

غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جو اپنے محبوب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو آخری نبی بنایا یعنی خاتمیت زمانی سے سرفراز فرمایا ہے اس کے مقابلے پر نانوتوی صاحب نے اس عبارت میں اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی کا بہتر اور مفید ہونا دکھایا ہے کہ میری گھڑی ہوئی خاتمیت مرتبی میں یہ فائدہ ہے کہ اس کی رو سے تمام انبیاء (علیہم السلام) کا سلسلہ نبوت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہوگا خواہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے نبی ہوں یا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی جگہ زمین و آسمان میں موجود ہوں یا بالفرض کچھ انبیاء آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہو جائیں۔ اب نانوتوی صاحب

مسلمانوں سے اپیل کر رہے ہیں کہ اگر خاتمیت کا مطلب اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر میری تجویز کے مطابق مان لیا جائے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گذشتہ انبیاء کے خاتم ہی نہیں رہیں گے بلکہ اگر بالفرض آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی کسی جگہ کوئی اور نبی ہو تب بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بدستور باقی رہے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کو ماننے میں یہ فائدہ نہیں ہے۔۔۔۔۔ موصوف نے آگے لکھا ہے:-

”ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصاف ذاتی بوصف نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہجند ان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افراد خارجی ہی پر آپ کی افضلیت ثابت نہ ہوگی افراد مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو جائے گی بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے“

اسی عبارت میں نانوتوی صاحب نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت کی تین وجہ سے برتری دکھائی ہے یا اس کے اندر تین فائدے ایسے بتائے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی میں نہیں ہیں یعنی:-

(۱) اگر نانوتوی صاحب کا بتایا ہوا خاتمیت کا مفہوم مان لیا جائے تو حضور موصوف بوصف نبوت بالذات ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اس کا پہلا

قناعت کی۔

نانوتوی صاحب سے ان کے رشتہ دار مولوی محمد احسن نانوتوی (المتوفی ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۵ء) نے ”در منثور“ میں مذکور ایک اثر ابن عباس کے بارے میں سوال کیا تھا۔ موصوف نے اثر مذکورہ کو اپنی دلیل بنایا اور دعویٰ نبوت کے لیے چور دروازہ بنانے کی غرض سے ”تخذیر الناس“ کتاب لکھی جس کی پورے متحدہ ہندوستان میں سے کسی ایک عالم نے بھی کلی تائید نہیں کی تھی کیونکہ اکابر امت نے اس اثر کو نشانہ کرتے ہوئے رد کیا اور عقیدہ خاتمیت کے خلاف ٹھہرایا تھا جیسا کہ اسی ”تخذیر الناس“ کے صفحہ ۲۹، ۳۰ پر نانوتوی صاحب نے خود بھی اعتراف کیا ہے۔

موصوف نے اثر مذکورہ کے تحت سات زمینیں الگ الگ ٹھہرائیں اور ہر زمین میں ایک ایک آدم، نوح، ابراہیم، عیسیٰ، اور محمد علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ٹھہرائے۔ یوں شش مثل کا فتنہ پھر جگایا۔ گویا خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے زمانے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے ہمنام چھ نبی باقی زمینوں میں موجود تھے اور اوپر کی زمین والے کو ان سب کا حاکم ٹھہرایا ہے اور بتایا ہے کہ وہ اپنی اپنی زمین کے خاتم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ان سب کے بھی خاتم۔ حالانکہ اکابر امت نے اس بات کو کفر ٹھہرایا ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے کو عقیدہ خاتمیت کا انکار قرار دیا ہے جیسا کہ دیوبندیوں کے مفتی اعظم پاکستان، مولوی محمد شفیع صاحب (المتوفی ۱۳۵۷ھ/۱۹۳۷ء) نے اپنی کتاب ”ختم نبوت کامل“ میں اکابر امت کی اس بارے میں متعدد عبارتیں نقل کی ہیں۔

نانوتوی صاحب نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت پر اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت کی برتری دکھاتے ہوئے مذکورہ دونوں عبارتوں کے اندر یہ کہا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت

فائدہ تو یہ ہوگا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے افراد مقصود بالخلق میں سے کسی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مماثل نہیں کہا جاسکے گا۔

(۲) دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے افراد خارجی پر ہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی فضیلت انبیائے کرام کے افراد مقدرہ پر بھی ثابت ہو جائے گی۔

(۳) تیسرا فائدہ اللہ اور رسول کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر..... نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو ماننے کا یہ ہوگا کہ بالفرض حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے زمانے کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جائے پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور کسی اور زمین یا اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کر لیا جائے تو نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو ماننے کے سبب اس معاصر کے باعث بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔۔۔۔۔ نانوتوی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے۔

”بائیں ہمہ اطلاق مماثلت میں مزید رفعت مراتب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہاں تک کہ اگر اطلاق مذکور کو تسلیم نہ کیجئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور رفعت کے سات حصوں میں سے کل ایک ہی باقی رہ جائے اور چھ حصے عظمت کم ہو جائے“ ۹

”اگر ہفت زمین کو بطور مذکور برترتیب فوق و تحت نہ مانئے تو پھر عظمت و شان محمدی بہ نسبت اس قدر عظمت کے جو در صورت تسلیم ارضی ہفت گانہ بطور مذکور لازم آتی تھی چھ گنی کم ہو جائے گی۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ ہفت اقلیم کو اگر کوئی نادان فقط اسی اقلیم کا بادشاہ سمجھے جس میں وہ رونق افروز ہے تو یوں کہو کہ اس کی عظمت کے چھ حصے گھٹا دیئے فقط ایک ہی پر

متواتر میں البتہ حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک اثر منقول ہے جو درجہ تواتر تک نہیں پہنچا۔ نہ اس کے مضمون پر اجماع منعقد ہوا۔^{۱۱} اب اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی کے بارے میں بھی نانوتوی صاحب کی تصریح ملاحظہ ہو:-

”سو اگر اطلاق اور عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلات التزانی ضرور ثابت ہے اور تصریحات نبوی مثل انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی او کما قال جو بظاہر بطرز مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے۔ اس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو کہ الفاظ مذکور بسند تواتر منقول نہ ہوں۔ سو یہ عدم تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعداد رکعات فرائض و وتر وغیرہ باوجود یکہ الفاظ احادیث مشر تعداد احادیث مشر تعداد رکعات متواتر نہیں۔ جیسا اس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔^{۱۲}

ان دونوں عبارتوں میں نانوتوی صاحب نے اپنی گھڑی ہوئی خاتمیت اور اللہ (جل شانہ) و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کی شرعی حیثیت اپنے لفظوں میں بیان کی ہے اور دونوں کے ماننے اور نہ ماننے کا شرعی حکم بھی لکھ دیا۔ ان عبارتوں کے بعض نکات یہ ہیں۔

(۱) نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔

۱۱ محمد قاسم نانوتوی، مولوی:- ”تخذیر الناس“ مذکورہ ص ۲۹
۱۲ محمد قاسم نانوتوی، مولوی:- ”تخذیر الناس“ مذکورہ ص ۱۱۰

کے مقابلے میں نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت کو یہ برتری ہے کہ باقی چھ زمینوں میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے چھ مثل اور ماننے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا مرتبہ چھ گنا اور بلند ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر باقی چھ زمینوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے چھ مثل اور نہ ماننے جائیں تو اس صورت میں نانوتوی صاحب کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی عظمت اور رفعت کے سات حصوں میں سے صرف ایک حصہ باقی رہ جائے گا اور چھ حصے عظمت و رفعت کم ہو جائے گی۔

(۳) وہ شخص نادان ہیں جو اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ایک ہی ملک کا بادشاہ بنائے رکھنے پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی چھ گنا شان گھٹا رہے ہیں۔

(۴) اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کو چھوڑ کر موصوف کی بتائی ہوئی خاتمیت کو ماننے کا نانوتوی صاحب کے نزدیک یہ فائدہ ہے کہ اس کے ماننے سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان چھ گنا اور بڑھ جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہ سے بڑھائی نہیں جاسکتی تھی۔

نانوتوی صاحب نے اپنی اس گھڑنت کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہوا ہے:-

”ہاں بوجہ عدم ثبوت قطعی نہ کسی کو تکلیف عقیدہ دے سکتے ہیں نہ کسی کو بوجہ انکار کافر کہہ سکتے ہیں کیونکہ اس قسم کے استنباط امت کے حق میں مفید یقین نہیں ہو سکتے، احتمال خطا باقی رہتا ہے۔ البتہ تصریحات قطعی الثبوت تو پھر تکلیف مذکور اور تکفیر مسطور دونوں بجا تو یہاں ایسی تصریحات درجہ قطعیت کو نہیں پہنچی یعنی نہ کلام اللہ میں ایسی تصریح ہے نہ کسی حدیث

”باقی رہی یہ بات کہ بڑوں کی تاویل کو نہ مانئے تو ان کی تحقیر نفوذ باللہ لازم آئے گی۔ یہ انہیں لوگوں کے خیال میں آ سکتی ہے جو بڑوں کی بات فقط ازراہ بے ادبی نہیں مانا کرتے۔ ایسے لوگ اگر ایسا سمجھیں تو بجا ہے۔ المرء یقین علی نفسه۔ اپنا یہ وطرہ نہیں۔ نقصان شان اور چیز ہے ... اور خطا و نسیان اور چیز۔ اگر بوجہ کمی التفاطی بڑوں کا فہم کسی مضمون تک نہ پہنچا تو ان کی شان میں کیا نقصان آ گیا؟ ... اور کسی طفل نادان نے کوئی ٹھکانے کی بات کہہ دی تو کیا اتنی بات سے وہ عظیم الشان ہو گیا؟

گاہ با شد کہ کودک نادان
بغلط بر ہدف زند تیرے سچ

اس عبارت میں نانوتوی صاحب نے کوئی بات ڈھکی چھپی نہیں رکھی بلکہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت کے مقابلے میں نئی خاتمیت گھڑنے اور پوری امت محمدیہ کی مخالفت کر کے کفر و ارتداد کا وبال سر پر لینے کی وجہ بیان کر دی ہے۔ چند نکات ملاحظہ فرمائیے:-

(۱) اگر کوئی نانوتوی صاحب سے یہ کہتا کہ: آپ نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی سمجھی اور سمجھائی ہوئی اجماعی خاتمیت کو رد کر کے اس کے بالمقابل اپنی طرف سے جو خاتمیت گھڑی ہے تو ایسا کرنے کے باعث ان سارے بڑوں کی تحقیر لازم آئے گی“ ... تو موصوف نے جواب دے دیا ہے کہ بڑوں کی تحقیر تب ہوتی ہے جب کوئی ان کی بات کو بے ادبی سے نہ مانے جبکہ

- (۲) بایں وجہ اس پر عقیدہ رکھنے کی کسی کو تکلیف نہیں دی جاسکتی۔
 - (۳) موصوف کی گھڑی ہوئی خاتمیت کے منکر کو کافر نہیں کہا جاسکتا۔
 - (۴) نانوتوی صاحب کی گھڑی ہوئی خاتمیت پر یقین نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایسے استنباط میں خطا کا احتمال باقی رہتا ہے۔
 - (۵) موصوف نے جو خاتمیت گھڑی اس کی ”قرآن مجید“ اور کسی متواتر حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہے۔
 - (۶) نانوتوی صاحب نے اس خاتمیت کی عبارت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ایک اثر کی بنیاد پر تعمیر کی ہے جس کو اکابر امت نے شاذ بتایا اور عقیدہ خاتمیت کے خلاف ٹھہرا کر رد کیا ہوا تھا۔
 - (۷) نانوتوی صاحب کے نزدیک بھی مذکورہ اثر درجہ تواتر کو نہیں پہنچا اور امت محمدیہ کا اس پر اجماع منعقد نہیں ہوا بلکہ یہ امت مرحومہ کا رد کیا ہوا اثر ہے۔
 - (۸) نانوتوی صاحب پورا زور لگاتے رہے ہیں کہ خاتمیت مرتبی کو ماننے سے خاتمیت زمانی خود بخود لازم آ جائے گی حالانکہ موصوف کی یہ سیئہ زوری اور عوام الناس کو دھوکا دینا ہے کیونکہ خاتمیت مرتبی کے ماننے سے تو خاتمیت زمانی کا انکار لازم آتا ہے۔
 - (۹) اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی بتائی ہوئی خاتمیت زمانی کا مضمون درجہ تواتر کو پہنچ گیا ہے۔
 - (۱۰) خاتمیت زمانی پر امت محمدیہ کا اجماع بھی منعقد ہو گیا ہے۔
 - (۱۱) خاتمیت زمانی کا منکر رکعات نماز کے منکر کی طرح کافر ہے۔
- جب نانوتوی صاحب بھی خود مانتے تھے کہ خاتمیت زمانی کا منکر کافر ہے تو انہوں نے جان بوجھ کر اس کے خلاف دوسری خاتمیت کیوں گھڑی؟ ... اور کیوں کفر اور ارتداد کا ارتکاب کیا؟ ... اس سوال کا جواب موصوف نے اس عبارت میں دیا ہوا ہے:-

آخر میں میرٹھ میں چھپ کر شائع ہوا تو اس پر ہر طرف سے اعتراضات ہوئے اور اس کے رد میں ایک رسالہ "صیانتہ الناس" لکھا گیا جو مطبع حدیقتہ العلوم میرٹھ میں طبع ہوا۔

پھر یہی فتویٰ ۱۳۱۸ھ میں مع رد بلیغ کے مطبع گلزار حسنی بمبئی میں چھپا۔
پھر ۱۳۲۰ھ میں یہی فتویٰ مع قاہرہ رد کے پٹنہ عظیم آباد مطبع تحفہ حنفیہ میں چھپا۔ ۱۳

موصوف نے مولوی حسین احمد ٹانڈوی صاحب کو جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے:-
"اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہ بالکل سچ فرمایا۔ گنگوہی جی کا اسی مضمون کا فتویٰ مہری دستخطی اعلیٰ حضرت کے پاس موجود تھا۔ ... اس کے فوٹو آج بکثرت علماء کے پاس موجود ہیں۔ ... یہ فتویٰ گنگوہی جی کے سامنے سے طبع ہو رہا ہے۔ ... ملک میں برابر شور مچا ہوا ہے۔ ... گنگوہی جی نے اپنی حیات میں اس فتوے سے انکار نہیں کیا۔ ... اس فتوے کا فوٹو میرے پاس بھی موجود ہے" ۱۵

گنگوہی صاحب کے مذکورہ مہری دستخطی فتوے کے چند جملے یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ کیا باتیں گنگوہی صاحب کی طرف منسوب ہو رہی تھیں اس کے باوجود وہ ۱۳۰۸ھ سے ۱۳۲۳ھ تک ... پندرہ سالوں میں ... بولے کیوں نہیں؟ ... کیوں اقرار یا انکار نہیں کیا؟ ... منہ پر سکوت کی مہر کیوں لگائے رکھی؟ ... خیر جملے ملاحظہ ہوں:-

۱۳ شاہ محمد اجمل مفتی: "روشہاب ثاقب" مطبوعہ کراچی ص ۲۹۳
۱۵ ایضاً: ص ۲۸۵

میں نے تو ان کی بتائی ہوئی خاتمیت کو بڑے ادب و احترام سے ٹھکرایا اور رد کیا ہے لہذا ان کی تحقیر کب لازم آئی؟

(۲) نانوتوی صاحب بتا رہے ہیں کہ میں بڑوں کی بے ادبی نہیں کر رہا ہوں بلکہ خاتمیت کے معنی میں سارے ہی بڑوں سے بھول چوک اور خطا و نسیان کا وقوع ہو گیا تھا۔
(۳) بڑوں سے خاتمیت کے معنی میں یہ غلطی بائیں وجہ واقع ہوئی کہ انہوں نے خاتمیت کے معنی کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی تھی۔

(۴) خاتمیت کے معنی کی طرف پوری توجہ نہ کرنے کے باعث بڑوں کا ذہن اس کے حقیقی مفہوم تک نہ پہنچ سکا اور ان میں سے کوئی ایک بھی ٹھکانے کی بات نہ کہہ سکا۔
(۵) تیرہ صدیاں گزرنے پر برٹش گورنمنٹ کی نگاہ عنایت سے ٹھکانے کی بات آج ایک طفل نادان نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں کہہ دی ہے جیسا کہ حسن اتفاق سے کبھی کسی طفل نادان کا تیر بھی نشانے پر جا لگتا ہے اور اتنی بات سے وہ عظیم الشان نہیں ہو جاتا ---- افسوس!

کیا خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

☆.....☆.....☆.....☆

۲۔ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب (المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کا ایک مہری دستخطی فتویٰ میرٹھ سے ربیع الآخر ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا جس کے اندر وقوع کذب کے قائل کی موصوف نے حمایت کی تھی۔ اس فتویٰ کی نقل "روشہاب ثاقب" کے صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۸ پر موجود ہے۔ مولانا شاہ محمد اجمل مفتی سنبھل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) نے اس فتوے کے بارے میں یہ وضاحت بھی فرمائی ہے:-

"ہم عدم تکفیر والا فتویٰ پیش کر رہے ہیں یہ ۱۳۰۸ھ کا ہے جو ماہ ربیع

مع زد کے شائع ہو چکا۔

☆ پھر ۱۳۱۸ھ میں مطبع تحفہ حنفیہ میں اس کا اور مفصل رد چھپا
☆ پھر ۱۳۲۰ھ میں پٹنہ عظیم آباد مطبع گلزار حسنی بمبئی مطبع تحفہ حنفیہ اس
کا اور قاہرہ رد چھپا اور فتویٰ دینے والا جمادی الآخرہ ۱۳۲۳ھ میں مرا ...
اور مرتے دم تک ساکت رہا۔ نہ یہ کہا کہ ”وہ فتویٰ میرا نہیں“ حالانکہ خود
چھاپی ہوئی کتابوں سے فتویٰ کا انکار کر دینا سہل تھا۔ ... نہ یہی بتایا کہ
مطلب وہ نہیں جو علمائے اہل سنت بتا رہے ہیں بلکہ میرا مطلب یہ ہے۔
نہ کفر صریح کی نسبت کوئی سہل بات تھی جس پر التفات نہ کیا۔

زید سے اس کا ایک مہری فتویٰ اس کی زندگی و تندرستی میں علانیہ نقل کیا
جائے اور وہ قطعاً یقیناً صریح کفر ہو اور سالہا سال اس کی
اشاعت ہوتی رہے۔ لوگ اس کا رد چھاپا کریں۔ زید کو اس کی بنا
پر کافر بتایا کریں۔ زید اس کے بعد پندرہ برس جئے اور یہ سب کچھ
دیکھے نے اور اس فتویٰ کی اپنی طرف نسبت سے انکار اصلاً شائع نہ
کرے بلکہ دم سادھے رہے۔ یہاں تک کہ دم نکل جائے۔ کیا
کوئی عاقل گمان کر سکتا ہے کہ اس نسبت سے انکار تھا یا اس کا
مطلب کچھ اور تھا۔ اور ان میں کے جو زندہ ہیں آج کے دم تک
ساکت ہیں۔“

گنگوہی صاحب کا مذکورہ فتویٰ ۱۳۰۸ھ میں چھپا اور ۱۳۲۳ھ میں گنگوہی صاحب
راہی ملک عدم ہوئے۔ جہاں آخری دم تک متواتر گنگوہی صاحب خاموش رہے اور اس فتوے
کے متعلق ایک لفظ تک نہ کہا وہاں جملہ معتقدین و متوسلین بھی خاموش اور خود فراموش رہے۔

الجواب:-

”اگرچہ شخص ثالث نے تاویل آیات میں خطا کی ہے مگر تاہم اس کو کافر
کہنا یا بدعتی ضال کہنا نہیں چاہیے کیونکہ خلف وعید کو جماعت کثیرہ علماء
سلف کی قبول کرتی ہے علاوہ اس کے مجوزین خلف وعید خلف وقوع
کے بھی قائل ہیں کیونکہ کذب بولتے ہیں قول خلاف واقع کو سو وہ گاہ
وعید ہوتا ہے گاہ وعدہ گاہ خبر اور سب کذب کے انواع ہیں
اور وجود نوع کا وجود جنس کو مستلزم ہے لہذا وقوع کذب کے معنی
درست ہو گئے اگرچہ ضمن کسی فرد کے ہو۔ پس بناء علیہ اس ثالث کو کوئی
 سخت کلمہ نہ کہنا چاہیے کہ اس میں تکفیر علماء سلف کی لازم آتی ہے لہذا
اس ثالث کو تھلیل و تفسیق سے مامون کرنا چاہیے۔“ ۱۶

گنگوہی صاحب کے مذکورہ فتویٰ کے بارے میں چودہویں صدی کے مجدد برحق ماضی
قریب میں سرمایہ ملت کے عدیم المثال نگہبان، امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ (الفتویٰ ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۲۱ء) نے یوں وضاحت فرمائی ہے:-

”وہ فتویٰ جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کو صاف صاف کاذب جھوٹا مانا ہے
... اور جس کی اصل مہری دستخطی اس وقت تک محفوظ ہے ... اور اس کے
فوٹو بھی لیے گئے ... جن میں سے ایک فوٹو علمائے حرمین شریفین کو
دکھانے کے لیے مع دیگر کتب و شامیاں گیا تھا۔ سرکار مدینہ طیبہ میں بھی
موجود ہے۔“

☆ یہ تکذیب خدا کا ناپاک فتویٰ اٹھارہ برس ہوئے ربیع الآخر
۱۳۰۸ھ میں رسالہ ”صیائہ الناس“ کے ساتھ مطبع حدیقۃ العلوم میرٹھ میں

(۲) شیطان و ملک الموت کو ساری زمین کا علم ہونے کے قرآن و حدیث میں واضح دلائل موجود ہیں۔

(۳) انبھوی صاحب کے نزدیک ایسی ایک بھی قطعی دلیل قرآن و حدیث میں نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بھی یہ علم حاصل ہے۔

(۴) انبھوی صاحب کے نزدیک اس علم کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک ہے۔

(۵) جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے اس علم کا ثابت کرنا انبھوی صاحب کے مطابق شرک ہوا اور شیطان و ملک الموت کے لئے شرک نہ ہوا تو ثابت ہوا کہ انبھوی صاحب کے نزدیک خدا نے شیطان و ملک الموت کو اپنی خدائی میں نفوذ باللہ شامل کر رکھا ہے۔

(۶) جب اس علم کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے ثابت کرنا شرک ہے تو مخلوق کے جس فرد کے لیے بھی ثابت کیا جائے شرک ہی رہے گا۔ لہذا شیطان و ملک الموت کے لئے نصوص سے ثابت کر کے انبھوی صاحب کے مطابق قرآن و حدیث نے شرک کی تعلیم دی۔

(۷) جب اسے شیطان و ملک الموت کے لئے نصوص سے ثابت مان لیا تو مخلوق میں سے کسی فرد کے لئے بھی اس کا ثابت کرنا شرک نہ رہا کیونکہ معلوم ہو گیا کہ یہ علم خدا تعالیٰ جل شانہ کی صفت خاصہ نہیں ہے۔

(۸) دریں حالات حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لئے اس کا ثبوت ماننے کو شرک ٹھہرا کر انبھوی صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی توہین و تنقیص کی ہے۔

(۹) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ علم ثابت کرنے والی تمام آیتوں اور حدیثوں

پندرہ سال بعد جب گنگوہی صاحب شہر خوشاں کے مکین ہو گئے تو موصوف کے معتقدین دیوبندی مناظرین کی زبانیں کھل گئیں اور شور مچانا شروع کر دیا کہ

”وہ فتویٰ ہمارے عالی جناب گنگوہی صاحب کا نہیں ہے وہ جھوٹی

نسبت ہے وہ ہمارے بھائی اور قبلہ و کعبہ پر بہتان ہے۔“

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ

☆.....☆.....☆.....☆

۳۔ مولوی خلیل احمد انبھوی صاحب (المتوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء) نے مولانا عبدالمسیح رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) کی کتاب ”انوار ساطعہ“ طبع اول کا جواب ”براہین قاطعہ“ کے نام سے لکھا۔ انبھوی صاحب نے علم و وسعت زمین پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:-

”شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی

وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے کہ جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک

شرک ثابت کرتا ہے۔“ ۱۸

انبھوی صاحب کی یہ عبارت تو بظاہر بڑی مختصر سی ہے لیکن اس میں وہ بڑی ہولناک لرزہ خیز اور ایمان سوز باتیں کہہ گئے جن پر عجب نہیں کہ آسمان پھٹ کر گر پڑتا۔ یہ علمائے دیوبند ہی کا دل گردہ ہے کہ خوف خدا اور خطرۂ روز جزا سے اس قدر عاری ہو کر خدائے ذوالجلال جل شانہ کے سب سے باکمال محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی یوں کھل کر توہین و تنقیص کرتے ہیں اور اس پر ذرا نہیں شرماتے آتش جہنم کو قطعاً خطرے میں نہیں لاتے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ انہیں ہدایت دے آمین۔

اس عبارت کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔

(۱) شیطان اور ملک الموت کو ساری زمین کا علم حاصل ہے۔

ولابکم“ الحدیث اور شیخ عبدالحق روایت کرتے ہیں کہ مجھ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔“ ۱۹

موصوف نے اس عقیدے کے خلاف قرآن و حدیث ہونے کا دعویٰ کیا اور اپنے قرآن و حدیث سے ایسے دو ثبوت پیش کیے جن پر شیطان بھی عیش کر اٹھا ہوگا۔
 ائمہ صوفیہ صاحب نے چند سطر بعد کفر یہ عبارت سے متصل یہ بھی لکھا ہے:-
 ”الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فائدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔“ ۲۰
 ملک الموت (عَلَى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ) کے علم پر مزید بحث کرتے ہوئے موصوف نے یہ بھی لکھا ہے:-

”پس اعلیٰ علیین میں روح مبارک علیہ السلام کی تشریف رکھنا اور ملک الموت سے افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ کا ان امور میں ملک الموت کے برابر ہو چہ جائیکہ زیادہ۔“ ۲۱

۱۹ غلیل احمد ائمہ صوفیہ مولوی ”براہین قاطعہ“ مطبوعہ دیوبند ص ۵۵
 نوٹ: ائمہ صوفیہ صاحب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حوالے سے سراسر غلط بیانی کی ہے کیونکہ شیخ محقق الشاہ عبدالحق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ”مدارج الموت شریف“ جلد اول میں فرماتے ہیں کہ:
 ”یہاں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ بعض روایات میں آیا کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا ”میں تو ایک بندہ ہوں اس دیوار کے پیچھے کا حال مجھے معلوم نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول محض بے اصل ہے۔
 اس کی روایت صحیح نہ ہوئی۔ اسی طرح امام ابن حجر نے فرمایا۔ اس کی کچھ اصل نہیں امام ابن حجر کی نے ”افضل البزری“ میں فرمایا: ”اس کی سند نہ پہچانی گئی۔“ امام ابن حجر نے محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”حسام الحرمین“ میں اس فریب کی نشاندہی فرمائی۔ (رفیق)

۲۰ غلیل احمد ائمہ صوفیہ مولوی ”براہین قاطعہ“ مطبوعہ دیوبند ص ۵۵
 ۲۱ غلیل احمد ائمہ صوفیہ مولوی ”براہین قاطعہ“ مطبوعہ دیوبند ص ۵۶

سے آنکھیں بند کر کے ائمہ صوفیہ صاحب کا لکھ دینا کہ فخر عالم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کی وسعت علم کی کوئی نص قطعی ہے؟..... یعنی ایک نص کا اقرار بھی نہ کرنا۔ ایسا کر کے موصوف نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے دلی عداوت رکھنے اور اپنے ایمان کی آنکھیں پھوٹ جانے کا ثبوت دیا ہے۔
 (۱۰) معلوم نہیں ایسا عقیدہ رکھنے کے باوجود علمائے دیوبند نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ”عالم علم الاولین والآخرین“ کس مصلحت کے تحت لکھ دیا کرتے ہیں۔
 ائمہ صوفیہ صاحب نے اس عبارت سے چند سطر پہلے دین و دیانت کا دامن جھٹک کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لئے اسی علم کے انکار پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اور ایک بھی ثبوت نہ ملنے پر تلبیس سے کام لیتے ہوئے یہ مغالطے بھی دیئے ہیں:-

”ملک الموت اور شیطان کو جو یہ وسعت علم دی اس کا حال مشاہدہ اور نصوص قطعیہ سے معلوم ہوا۔ اب اس پر کسی افضل کو قیاس کر کے اس میں بھی مثل یا زائد اس مفضول سے ثابت کرنا کسی عاقل ذی علم کا کام نہیں۔

اول تو عقائد کے مسائل قیاسی نہیں کہ قیاس سے ثابت ہو جاویں بلکہ قطعی ہیں۔ قطعیات نصوص سے ثابت ہوتے ہیں کہ خبر واحد بھی یہاں مفید نہیں۔ لہذا اس کا اثبات اس وقت قابل التفات ہو کہ مؤلف قطعیات سے اس کو ثابت کرے اور خلاف تمام امت کے ایک قیاس فاسد سے عقیدہ خلق کا اگر فاسد کیا چاہے تو کب قابل التفات ہوگا۔

دوسرے قرآن و حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے پس اس کا خلاف کس طرح قبول ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب قول مؤلف کا مردود ہوگا۔ خود فخر عالم علیہ السلام فرماتے ہیں ”واللہ لا ادری ما یفعل بی

۴- مولوی اشرف علی تھانوی صاحب (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے ”حفظ الایمان“ کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا جو ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں منظر عام پر آیا جس سال کو غلام احمد قادیانی نے اپنے نبی اور رسول ہونے کا کھل کر دعویٰ کیا تھا۔ تھانوی صاحب سے کسی نے بعید سوال کیے تھے جن میں سے ایک سوال لفظ عالم الغیب سے متعلقہ بھی تھا۔ مستفتی نے سوال کے آخر میں لکھا تھا:-

”زید کا یہ استدلال اور عقیدہ و عمل کیسا ہے۔“ ۲۳

تھانوی صاحب نے لفظ عالم الغیب سے متعلق زید کے استدلال پر بحث کی اور عقیدہ و عمل کی وضاحت کرتے ہوئے ایسے گستاخانہ اور کفریہ الفاظ بارگاہ رسالت میں جاری کیے کہ دین و دیانت اور شرافت و غیرت سب اپنا سر پیٹ کر رہ گئے۔ موصوف نے لکھا ہے:-

”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا.....

اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید و عمر و بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے شخص سے مخفی ہے۔ تو چاہئے کہ سب کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر زید اس کا التزام کر لے کہ ہاں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ کمالات نبویہ شمار کیوں کیا جاتا ہے۔ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے۔

موصوف نے اولیاء اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے اسی علم کو تسلیم کرتے ہوئے یہ قلبی غیظ کا اظہار کیا ہے:-

”ان اولیاء کو حق تعالیٰ نے کشف کر دیا کہ ان کو یہ حضور علم حاصل ہو گیا۔

اگر اپنے فخر عالم علیہ السلام کو بھی لاکھ گو نہ اس سے زیادہ عطا فرما دے

ممکن ہے مگر ثبوت فعلی اس کا کہ عطا کیا ہے کس نص سے ہے کہ اس

پر عقیدہ کیا جاوے۔“ ۲۲

دیوبندیو! قیامت ضرور آئے گی۔ حساب کتاب ضرور ہوگا۔ لہذا محشر کی تیجی ہوئی زمین پر یہ جواب دینے کے لئے تیار رہنا کہ جو علم اپنے مورث اعلیٰ شیطان ملعون کے لیے مان لیا..... ملک الموت (علیٰ عیننا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کے لیے تسلیم کر لیا..... ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) یعنی بارگاہ مصطفوی کے غلاموں کے لیے تسلیم کر لیا وہ آپ لوگوں کے نزدیک اگر خدا تعالیٰ جل شانہ نے کسی کو عطا نہیں کیا تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہیں۔ اہل ایمان اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے یہی علم ثابت کریں جو ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلاموں کو بھی حاصل ہے تو آپ کے نزدیک یہ شرک ہے اور شرک بھی ایسا جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں۔ دائے غربت اسلام! محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے غلام اس ستم ظریفی کی فریاد کس سے کریں جبکہ:

راہزن خضر راہ کی قبا چھین کر
رہنا بن گئے دیکھتے دیکھتے
☆.....☆.....☆.....☆

تو یہ بتایا جائے کہ علم غیب کو کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے؟
(۸) یہ ہے تھانوی صاحب کا منصب نبوت کی تحقیر و تذلیل کرنا کہ زید و عمرو وغیرہ کا ایک آدھ بات کو جان لینا اور انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کا بطور معجزات کے علوم غیبیہ سے مشرف کیا جانا موصوف کو ایک جیسا نظر آیا اور پوچھنے بیٹھ گئے کہ اسے کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔ کاش موصوف کے دل کی آنکھیں بند نہ ہو گئی ہوتیں اور انہیں ”قرآن مجید“ میں وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (۱۷۹:۳) لے آئے۔

.....اور.....

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رُسُلٍ (۲۷:۲۶:۴۴)

کے قرآنی الفاظ نظر آتے تو یہ پوچھنے نہ بیٹھتے کہ :
”علم غیب کو کمالات نبویہ میں کیوں شمار کیا جاتا ہے۔“

(۹) تھانوی صاحب کے نزدیک علم غیب سے تو کسی عام آدمی کو بھی خصوصیت حاصل نہیں ہوتی لہذا علوم غیبیہ کو نبی کے کمالات میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۰) اگر زید مذکورہ تمام چیزوں کو عالم الغیب کہنے کا التزام نہ کرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو کہے تو وہ اس فرق کی وجہ بتائے جبکہ علم غیب کے باعث تھانوی صاحب کے نزدیک نبی اور غیر نبی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

یہ ہے تھانوی صاحب کی وہ عبارت جو ۱۳۱۹ھ میں ”حفظ الایمان“ رسالہ کے اندر منظر عام پر آئی۔ اس کفریہ عبارت کے بعد تھانوی صاحب تینتالیس سال دنیا میں بقید حیات رہے اور ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں ملک عدم کی جانب سدھارے لیکن اتنی مدت میں نہ کفر و ارتداد سے توبہ کی اور نہ اپنی اس عبارت کو گھر میں بیٹھ کر یا میدان مناظرہ میں آکر اسلامی ثابت کر سکے۔ دیوبندی حضرات نے تو انہیں اپنا بقیۃ السلف اور عہد الخلف ٹھہراتے ہوئے حکیم الامت اور مجدد دین و ملت بنا لیا تھا بلکہ جامع المجددین تک قرار دے لیا کہ ان میں سابقہ تمام مجددین کی خوبیاں جمع ہیں لیکن یہ سراسر خلاف

اور التزام نہ کیا جاوے تو نبی و غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے اور اگر تمام علوم غیبیہ مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ رہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔“ ۱۲۲

تھانوی صاحب کی اس عبارت سے جو باتیں قاری کے پردہ ذہن پر آتی ہیں انہیں آسان اور سیدھے سادے لفظوں میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

(۱) زید جس علم غیب کے حصول کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذات مقدسہ پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرتا ہے اس سے زید کی مراد بعض غیب ہے یا کل غیب؟
(۲) یہاں تھانوی صاحب نے علم غیب کی صرف دو قسمیں کی ہیں یعنی بعض غیب اور کل غیب آگے موصوف نے دونوں کے بارے میں اپنے فیصلے بیان کئے ہیں۔
(۳) اگر زید اس وجہ سے لفظ عالم الغیب کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اطلاق کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو تمام علوم غیبیہ حاصل تھے یہاں تک کہ ان کی ایک فرد بھی خارج نہیں رہی تھی تو موصوف نے لکھا کہ ”اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے۔“

(۴) اب رہ گئی صرف دوسری قسم یعنی بعض علم غیب تو زید اگر بعض علوم غیبیہ کی بنا پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ذات مقدسہ پر اس لفظ کا اطلاق کرتا ہے تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

(۵) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اگر بعض علوم غیبیہ معلوم ہیں تو ایسے بعض علوم غیبیہ بقول تھانوی صاحب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون (یعنی ہر بچے اور پاگل) بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہیں۔

(۶) اگر بعض علوم غیبیہ کے حصول کی بنا پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو عالم الغیب کہا جائے تو چاہئے کہ مذکورہ تمام چیزوں کو عالم الغیب کہا جائے۔

(۷) اگر زید اس بات کا التزام کر لے کہ اچھا میں ان سب کو بھی عالم الغیب کہا کروں گا

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

منظور ہے گزارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

انگریزوں نے سونے کی چڑیا دیکھ کر اپنے بھوکے ملک سے افلاس دور کرنے کی خاطر متحدہ ہندوستان (۱) کے خوشحال ترین صوبہ بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی۔ جب تجارت کے پردے میں یہاں خوب پاؤں جم گئے تو ملک پر لپٹائی ہوئی نگاہیں ڈالنے لگے۔ حصول مقصد کی خاطر جوڑ توڑ کا جال بچھانا شروع کیا اور اپنی عیاری سے بنگال پر قابض ہو گئے۔ دیسی غداروں اور زر خرید کارندوں کے باعث کیے بعد دیگرے مختلف ریاستوں پر قبضہ جاتے ہوئے ایک روز سرزمین پاک و ہند کے واحد مالک بن بیٹھے۔

چونکہ متحدہ ہندوستان کی مرکزی حکومت یعنی دہلی کا تخت و تاج آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے چھینا تھا اور مسلمان ہی فعال نظر آتے تھے لہذا ملک کے فرمانروا بننے ہی ملت اسلامیہ کو صلیب و تثلیث کا شیدائی بنانے کی سر توڑ کوشش کی اور انگلینڈ سے اس مقصد کی خاطر پادری صاحبان بلائے شروع کر دیئے جو آتے ہی اسلامی عقائد و نظریات اور بانی اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم پر لغو اعتراضات کی بوچھاڑ کر دیتے... نیز علمائے اسلام کو جگہ جگہ دعوت مناظرہ دیتے پھرتے... برساتی حشرات الارض کی طرح پادریوں کا جال پورے ملک میں بچھا دیا گیا تھا۔

۱۸۵۴ء میں لندن سے اپنے مایہ ناز پادری فاؤنڈر کو بھیجا گیا جو عربی اور فارسی میں بھی کافی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے آتے ہی مختلف شہروں میں تقریریں کرتے ہوئے بلند بانگ دعاوی کیے اور اسلام کی حقانیت کو چیلنج کرتے ہوئے مقابلے کے لئے علمائے اسلام کو لٹکارا

(۱) متحدہ ہندوستان سے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کا انڈیا مراد ہے جبکہ پاکستان، بنگلہ دیش اور بھارت کے علاوہ بعض دوسرے ممالک کے بھی کچھ علاقے اس میں شامل تھے اور یہاں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کا متحدہ ہند مراد ہے (رہنمائی)

واقعہ اور محض زبانی خرچ ہے کیونکہ بیچارے تھانوی صاحب تو حق و صداقت کے ایسے دشمن اور کفر و ارتداد کے عاشق تھے کہ تینتالیس سالوں میں نہ اپنے سر سے کفر کا وبال اتارا اور نہ اپنے تینوں اکابر کے کفریات کے بارے میں زبان و قلم کو حرکت دینے کی ضرورت محسوس کی کیونکہ ان کفریہ عبارتوں میں کسی اسلامی معنی کی رمت بھی نہیں ہے۔

احقر نے ان چاروں حضرات کی وہ کفریہ عبارتیں سیاق و سباق سمیت پیش کر دیں اور ان سے متعلقہ بعض دیگر عبارتیں پیش کر کے مصنفین کے مفہوم کی مزید وضاحت کر دی۔ محبت و نفرت سے بالاتر ہو کر ان عبارتوں کا جو مطلب ایک عام قاری کے ذہن میں آ سکتا ہے وہ آسان لفظوں میں نمبر وار پیش کر دیا ہے۔ (۱) فریقین کے علماء نے ان کی تائید و تردید میں جو بحثیں کیں اور دلائل پیش کئے ان سطور میں طوالت سے بچنے کی خاطر انہیں نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ طرفین نے آج تک جو ان عبارتوں کی تائید و تردید میں کہا ہے اس کو ہم نے اپنی کتاب ”کھلا خط“ میں سیٹ رکھا ہے جو منظر عام پر آنے والی ہے انشاء اللہ تعالیٰ جل شانہ۔ احقر نے یہ محنت محض اس لیے کی ہے کہ جو حضرات مغالطے میں ہوں شاید ان میں سے کسی کو ہدایت ہو جائے۔ اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالِيهِ اُنِيبُ ۝ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ

گدائے در اولیاء

عبدالحکیم خان اختر

مجددی مظہر شاہجان پوری

لاہور

۶۔ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ ہجری قمری

مطابق ۹ دسمبر ۱۹۸۶ء

(۱) دیوبندی دہلی حضرات کی مذکورہ متنازع عبارات نیز بعض دیگر گستاخانہ عبارات کی عکسی نقول کو ”دعوت فکر“ (مرتبہ محمد منشاء تاج صاحب قصوری) مطبوعہ لاہور میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ اسی تصنیف کو عربی میں بعنوان ”الدعوة الى الفكر“ (تقریب: مولانا محمد عبدالحکیم مشرف قادری صاحب) رضا اکیڈمی لاہور نے ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء میں شائع فرمایا (رہنمائی)

انگریزوں کی ایسی عیاریوں کے خلاف لاوا پکڑا رہا اور دل و دماغ کھولتے رہے جس کا نتیجہ ۱۸۵۷ء میں ظالم و مظلوم اور حاکم و محکوم کے درمیان فیصلہ کن تصادم کی صورت میں منظر عام پر آیا۔ اس معرکہ آرائی میں انگریزوں کے قدم بری طرح اکڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے فرار ہونے کے تمام راستے بھی مسدود تھے۔ تمام انگریزوں کو اپنی موت یقینی نظر آرہی تھی لیکن وہ جوڑ توڑ کے عدیم المثال ماہر اپنے زر خرید کارندوں اور ایجنٹوں کے سہارے ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک اس وطن پر مزید نوے ۹۰ سال کے لیے قابض ہو گئے۔

اس تصادم کے باعث انگریز بہت حساس ہو گئے اور انہوں نے اپنی پالیسی کو بڑی حد تک پراسرار بنالیا۔ اس منصوبے کے تحت انہیں ایسے صاحبانِ جبہ و دستار کی جستجو ہوئی جن سے تخریب دین اور افتراق بین المسلمین کا کام لیا جائے تو قدرت نے بھی ان کے منصوبے کو خاک میں ملانے کا اہتمام کر دیا کہ ایسے لصوص دین کی سرکوبی اور ملک و ملت کے ان بدخواہوں کے حقیقی خدوخال ظاہر کرنے والے امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کو اس مسلح تصادم سے قریباً ایک سال پہلے بریلی شریف میں پیدا کر دیا اور چودہویں صدی میں تجدید دین و ملت کا فریضہ انجام دینے کا تاج آپ کے سر پر سجا دیا۔ ملت اسلامیہ کے اس بطل جلیل، حقانیت کے علمبردار اور اسلاف کی مقدس امانت یعنی مذہب اہلسنت و جماعت کے پیماک ترجمان کے تجدیدی کارنامے کو ہم نے ”معارفِ رضا“ کے تاریخی نام سے چار ضخیم جلدوں میں بیان کیا ہے۔ جلد اول میں ان صاحبانِ جبہ و دستار کے چہروں سے پوری طرح نقاب ہٹائی ہے جو حکومت وقت یا بت پرست اکثریت کے نفس ناطقہ بن کر رہبری کے بھیس میں رہنری کر رہے تھے۔ افسوس!

راہزن ، خضر رہ کی قبا چھین کر
راہنما بن گئے ، دیکھتے دیکھتے

چنانچہ مدرسہ صولتیہ واقع مکہ مکرمہ کے بانی ’فخر ہندوستان‘ پایہ حریم مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) نے مرحوم ڈاکٹر وزیر خاں کی معیت میں پادری فنڈر سے مناظرہ کیا اور آگرہ کی سرزمین میں اس کا سارا علمی غرور ایسا خاک میں ملایا کہ رو سیاحتی کو ’چھپانے کی خاطر پادری صاحب کو متحدہ ہندوستان سے بھاگتے ہی بنی اور اس درجہ بدحواس ہو کر بھاگا کہ لندن پہنچ کر ہی دم لیا۔۔۔ اسی طرح مختلف پادریوں نے جگہ جگہ منہ کی کھائی۔۔۔ علمائے اسلام ان کا ہر علمی محاذ پر ناطقہ بند کرتے اور یہ اعلان سناتے رہے تھے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تقریر و تحریر اور مناظرہ و مباحثہ کے میدانوں میں جب پادری صاحبانوں کو منہ کی کھانی پڑ رہی تھی تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو اپنا منصوبہ زندہ درگور ہوتا ہوا نظر آیا۔ ان حالات میں پرانے شکاری ’ایک نیا جال لے کر نمودار ہوئے۔ چنانچہ ۱۸۵۵ء میں پادری ایڈمنڈ نے کلکتہ سے ہر تعلیم یافتہ ہندوستانی اور خصوصاً سرکاری ملازمین کے پاس ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس کا مفہوم یہ تھا۔

”اب ہندوستان میں ایک عملداری ہوگئی۔۔۔ تار برقی سے ہر جگہ کی خبر

ایک ہوگئی۔۔۔ ریلوے اور سڑک سے ہر جگہ کی آمد و رفت ایک ہوگئی

مذہب بھی ایک چاہیے اس لیے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی

عیسائی، ایک مذہب ہو جاؤ“ ۱

۱۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی اس ملک کے مایہ ناز عالم ہوئے ہیں۔ ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء کو قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر (پ۔ پی) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲۷۷ھ/۱۸۵۲ء میں آگرے کے مقام پر پادری فنڈر کو شکست فاش دی۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھرپور حصہ لیا۔ جس کے باعث جائیداد ضبط ہوئی تو مکہ مکرمہ کو ہجرت کر گئے۔ حجاز کی اسلامی حکومت نے پایہ حریم کا لقب دیا۔ ”لقد لیس الوکیل“ پر ”تقریظ“ لکھتے ہوئے اپنے شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) کی غیر اسلامی روش کو خوب بیان کیا۔ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں مکہ مکرمہ کے اندر وفات پائی

۲۔ ”۱۸۵۷ء“ مصنف غلام رسول مہرم ۲۱

کم ہو گئی فقہ و حدیث اور دوسری مذہبی کتابیں بند کر دی گئیں ...
اردو اور انگریزی کا زور ہوا۔ مذہبی علوم کی تعلیم ختم ہونے پر تشویش تھی
ہی، اچانک حکومت نے اشتہار دے دیا کہ
جو شخص سرکاری سکولوں اور کالجوں کا تعلیم یافتہ ہوگا یا فلاں فلاں علوم اور
انگریزی میں امتحان دے کر سند حاصل کرے گا، اسے دوسروں کے
مقابلے میں ترجیح دی جائے گی۔“ ۳۔

انگریز تو مسلمانوں کو اس رنگ میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے
آشنا ہو کر اسلام سے وابستہ رہیں اور اسی وجہ سے حدیث و فقہ وغیرہ کی تدریس ختم کر دی تھی
... عربی و فارسی برائے نام رکھی اور سارا زور انگریزی تعلیم پر دیا تاکہ سکولوں اور کالجوں میں
تربیت پانے والے نو نھالان وطن کو مسلمان بنانے کے بجائے بابو اور کلرک بنایا جائے
تاکہ وہ اسلام کے کام نہ آئیں اور ہمیشہ انگریزوں کے گن گائیں۔
لیکن اس ستم ظریفی کی داد دینے والے کہاں سے آئیں کہ دنیا کی سب سے بڑی
نظریاتی مملکت میں جس کے متعلق کبھی کہا جاتا تھا:

پاکستان کا مطلب کیا؟ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ

جس کے متعلق یہ باور کرایا جاتا تھا کہ پاکستان میں انسانوں کی نہیں بلکہ قرآن و
سنت کی حکمرانی ہوگی۔۔۔ آج اسے معرض وجود میں آئے چالیسواں سال گزر رہا ہے لیکن معمولی
سی تربیت کے ساتھ سکولوں اور کالجوں میں انگریزوں جیسا نصاب تعلیم ہی جاری ہے۔ اگر
اسلامیات کی تعلیم کا کچھ عنصر نظر آنے لگا ہے تو اسے سیاست کے مشاعرے میں ردیف اور قافیہ
کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ جبکہ باقی سب خیریت ہے۔۔۔ آئیں ایسے نافذ ہوتے رہے

۳۔ ”اسباب بغاوت ہند“ ص ۱۶ ”۱۸۵۷ء“ مفتح غلام رسول مہر۔ ص ۳۰
”اسباب بغاوت ہند“ ص ۱۶ ”۱۸۵۷ء“ مفتح غلام رسول مہر۔ ص ۳۰

۱۸۵۷ء کے بعد انگریز اگرچہ پورے ملک پر قابض ہو گئے لیکن اس معرکہ آرائی نے
چونکہ ان کی طاقت کا بھرم کھول دیا تھا لہذا اب وہ حساس ہو گئے اور اپنی اسلام دشمنی کو پراسرار
بنالیا۔۔۔ جو ہر پہلے جبراً کھلاتے تھے اب وہ ایسی گولیوں کی صورت میں مسلمانوں کے حلق
سے اتارنے لگے جو دیکھنے میں خوشنما اور کام و دہن کو شیریں معلوم ہوتی تھیں۔ اپنے اس ظالمانہ
منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر اور منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے انگریزوں نے
اپنے لیے دو راستے تجویز کیے۔

پہلا راستہ

یہ کہ مسلمانوں کے زیر تعلیم نو نھالوں کو جو بڑے ہو کر قوم کا فعال عنصر اور حکومت کی
مشینری کے پرزے بنتے ہیں انہیں ایسے رنگ میں رنگ دیا جائے اگرچہ انہیں عیسائی تو
نہ کہا جاسکے لیکن ان کی اکثریت ایسی تربیت پا کر نکلے کہ اس پر مسلمان کی تعریف بھی صادق
نہ آئے۔ وہ مسلمان ہی کہلاتے رہیں لیکن اسلامی تعلیم و تہذیب سے نا آشنا ہو جائیں۔ اس
طرح مسلمانوں کی آنے والی نسلیں کسی اور ہی رنگ و روپ میں مصدہ شہود پر جلوہ گر ہوں گی
جس کے باعث ان کا زاویہ نظر ہی بدل جائے گا۔

دوسری جانب مذہبی رہنماؤں یعنی حضرات علماء کرام کو قوم کا ایسا عضو معطل بنا دیا
جائے کہ بظاہر وہ کسی مصرف کے نظر نہ آئیں قوم ان سے وابستہ نہ رہے ان کی
عقیدت کھو بیٹھے تاکہ اسلام کی برکتوں سے بڑی حد تک محروم ہو جائے۔ اس مقصد کو
حاصل کرنے کی غرض سے برٹش گورنمنٹ نے سب سے پہلے یہ قدم اٹھایا۔

”ابتدا میں مدرسوں اور کالجوں کے اندر تعلیم کا طریقہ دوسرا تھا۔ وہ تمام
السنہ (زبانیں) و علوم پڑھائے جاتے تھے جن کا پہلے رواج تھا مثلاً عربی
فارسی، سنسکرت، فقہ حدیث، ہندو دھرم کی کتابیں وغیرہ۔ ان کے ساتھ
انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی۔ بعد ازاں عربی اور فارسی کی تعلیم بہت

ہندوستان کچھ ترقی کر سکتا ہے تو انگلش گورنمنٹ ہی کے ماتحت رہ کر کر سکتا ہے۔

وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ گو ہندوستان کی حکومت کرنے میں انگریزوں کو متعدد لڑائیاں لڑنی پڑی ہوں مگر درحقیقت نہ انہوں نے یہاں کی حکومت میں زور حاصل کیا اور نہ مکروفریب سے بلکہ درحقیقت ہندوستان کو کسی حاکم کی اس کے اصلی معنوں میں ضرورت تھی۔ سو اسی ضرورت نے ہندوستان کو ان کا محکوم بنا دیا۔^۵

انگریز جیسی ظالم و جابر قوم کی یہ قصیدہ خوانی اور ان مکروفریب کے مجسموں کی ایسی مدح سرائی بلاوجہ نہ تھی بلکہ یہ ملت فروشی کے عوض ملنے والے لقمہ ترکا کرشمہ تھا جس کی خود انہوں نے یوں وضاحت فرمائی ہے:-

”ہم جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری منصف (برٹش) گورنمنٹ مسلمانوں کے ساتھ ہے اس کی بہت روشن دلیل یہ ہے کہ ہماری قدر دان (انگریز) گورنمنٹ نے خیر خواہ مسلمانوں کی کیسی قدر و منزلت کی اور عزت و آبرو کی انعام و اکرام اور جاگیر و عیش سے نہال کر دیا ہے۔ ترقی عہدہ اور فزونی مراتب سے سرفراز کیا ہے۔ پھر کیا یہ ایسی بات نہیں ہے کہ مسلمان نازاں ہوں اور دل و جان سے اپنی (برٹش) گورنمنٹ کے شکر گزار اور ثنا خواں رہیں۔“^۶

سر سید احمد خاں صاحب یوں تو علم منقول و معقول سے بڑی حد تک محروم تھے لیکن اپنے پڑھے لکھے ساتھیوں کے سہارے حکومت کے اشاروں پر دین متین میں تحریف و تخریب کا

۵ ”حیات جاوید“ مصنفہ حالی پانی پتی ص ۶۸۲

۶ ”حیات جاوید“ مصنفہ حالی پانی پتی ص ۱۵۷

جذبہ جہاد کو سرد کرنے اور اسلامیان ہند کو انگریز بہادر کی چوکھٹ پر جھکانے کی خاطر سر سید احمد خان صاحب نے اپنی عمر عزیز ہی ضائع کر دی اور ان کے تمام تر ساتھی بھی اپنی اپنی لے میں بظاہر دلکش آواز میں مسلمانوں کو مسحور کرنے اور برٹش نواز بنانے کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد موصوف نے اپنے جملہ وہابی بھائیوں یعنی ساری خارجی برادری کی یوں برٹش حکومت کے سامنے صفائی پیش کی:-

”اس (وہابی) کو یہ کہنا کہ در پردہ تخریب سلطنت کی فکر میں چپکے چپکے منصوبے باعدھا کرتا ہے اور غدر اور بغاوت کی تحریک کرتا ہے محض تہمت ہے اور ہم اس وقت بہت سے ایسے آدمی نشان دے سکتے ہیں جو (برٹش) سرکار کے ایسے ملازم ہیں کہ ان سے زیادہ (انگریز) سرکار کا خیر خواہ اور معتمد نہیں باقی ہمہ وہ اپنے تئیں علی الاعلان اور بے تامل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں۔ سرکار نے بے سوچے سمجھے ان کو معتمد نہیں گردانا بلکہ غدر کے زمانے میں جبکہ قتل کی آگ ہر طرف مشتعل تھی تو ان کی وقاداری کا سونا اچھی طرح تایا گیا اور وہ خیر خواہی سرکار میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ جہاد کا وعظ کرتے اور بغاوت و ہابیت کی اہل ہوتی تو جو کچھ ان سے ظہور میں آیا وہ کیونکر ظہور میں آتا۔“^۷

جناب الطاف حسین حالی پانی پتی (المتوفی ۱۹۱۴ء) نے اپنے قافلہ سالار لشکر کی انگریز دوستی کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے:-

”ان (سر سید احمد خان) کی نہایت پختہ رائے تھی کہ ہندوستان کے لیے انگلش گورنمنٹ سے بہتر گو کہ اس میں کچھ نقص بھی ہوں کوئی گورنمنٹ نہیں ہو سکتی اور اگر امن و امان کے ساتھ

۷ ”حیات جاوید“ مصنفہ حالی پانی پتی ص ۲۳۲

کی جوتیاں بنا دیں تو حضرت کی تفسیر کے ایک فقرے کا معاوضہ نہ ہوگا۔ ۱۱

سر سید احمد خان صاحب کا عقیدہ تھا اور مسلمانوں کو یہی تاثر دے رہے تھے کہ ”انجیل“ میں لفظی تحریف قطعاً نہیں ہوئی ہے بلکہ وہ بھی ”قرآن مجید“ کی طرح لفظی تحریف سے محفوظ ہے اور اس کے اندر صرف معنوی تحریف ہوئی ہے۔ یہ ”قرآن کریم“ کی صریحاً تکذیب اور مسلمانوں کو عیسائیت کی جانب مائل کرنے کا وہ زبردست اقدام ہے جو متحدہ ہندوستان کے کسی دین ایمان کے رہزن اور اسلام و مسلمین کے بڑے سے بڑے بد خواہ سے نہ ہو سکا۔ بلکہ لندن سے بھیجے گئے پادری صاحبان بھی اس کے عشرِ عشر کو نہ پہنچ سکے۔ ”انجیل“ کو غیر محرف ماننے کی صورت میں ”قرآن کریم“ کا آسانی کتاب ہونا خود غلط ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ ایک آسانی کتاب اصلی صورت میں موجود ہو تو دوسری کی ضرورت کہاں ہوتی ہے؟ اس سلسلے میں موصوف کے سوانح نگار نے یوں تصریح کی ہے:-

”نیز محققین اور اکابر اسلام مثل امام اسماعیل بخاری، امام فخر الدین رازی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی وغیرہم کے اقوال سے یہ بھی ثابت کیا گیا ہے کہ جس طرح عیسائی کتب مقدسہ میں تحریف لفظی کے قائل نہیں ہیں اور جس قسم کی تحریف کو عیسائی محققوں نے تسلیم کیا ہے صرف اسی قسم کی تحریف آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے کتب مقدسہ میں پائی جاتی ہے۔“ ۱۲

موصوف نے ”انجیل“ کی تفسیر بھی لکھی تھی اور اس میں انگریز پرستی میں سرشار ہو کر عیسائیوں سے کہا تھا:

”یقیناً میں ”بائبل“ کا اتنا ہی طرفدار اور مؤید ہوں جس قدر کہ آپ

۱۱ ”حیات جاوید“ مصنفہ حالی پانی پتی، ص ۷۰۰

۱۲ ”حیات جاوید“ مصنفہ حالی پانی پتی، ص ۱۶۸

شرمناک کام بھی عمر بھر پوری جرات اور دیدہ دلیری سے کرتے رہے تھے چنانچہ موصوف کے سوانح نگار جناب حالی صاحب (المتوفی ۱۹۱۴ء) نے ”حیات جاوید“ کی وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے اس سلسلے میں یوں وضاحت فرمائی ہے:-

”ہم کو اس کتاب میں اس شخص کا حال لکھتا ہے جس نے چالیس برس برابر تعصب اور جہالت کا مقابلہ کیا ہے۔ تقلید کی جڑ کاٹی ہے۔ بڑے بڑے علماء و مفسرین کو لٹاڑا ہے۔ اماموں اور مجتہدوں سے اختلاف کیا ہے۔ قوم کے پکے پھوڑے کو چھیڑا ہے۔ ان کو کڑوی دوائیں پلائی ہیں۔ جن کو مذہب سے لحاظ سے ایک گروہ نے صدیق کہا ہے اور دوسرے نے زندیق خطاب دیا ہے۔“ ۱۱

سر سید احمد خان صاحب نے (انگریز) حکومت کے اشارے پر اترے ترکی خاطر ساری امت محمدیہ کے خلاف اسلام دشمنی اور انگریز دوستی کے موڈ میں آکر ”قرآن کریم“ کی تفسیر لکھی۔ بظاہر مسلمانوں کے خیر خواہ بننے تھے لیکن مقصود ان کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالنا تھا۔ اس نام نہاد تفسیر میں دل کھول کر معنوی تعریف کی تاکہ اصل قرآنی مفہوم و مطالب سے لوگوں کی توجہ ہٹا دی جائے اور انہیں مسلم نما عیسائی بنائے۔ ان کے خرمن دین و ایمان میں آگ لگانے کی خاطر خیر سے مفسر قرآن بھی بن بیٹھے۔ اس رسوائے زمانہ تفسیر کے بارے میں حالی صاحب نے یوں بد حالی میں وضاحت کی:

”الحمد للہ اس حق گو تفسیر کی بدولت ان روحانی مہلک بیماریوں سے آج غسلِ صحت ملا۔ مسلمانوں کے پاک دلوں میں وہ گندی گندی باتیں جمی ہوئی تھیں جیسے کبے کے بتاں۔ اب ان کا ایک بیک دور ہونا خدا کے مقدس کلام کی سچی تفسیر کا نتیجہ ہے۔ ہم اس احسان کے بدلے اپنی کھال

۱۱ ”حیات جاوید“ مصنفہ حالی پانی پتی، ص ۱۵۷

پورے متحدہ ہندوستان کے ہر صوبے میں نگاہ حقارت سے دیکھا گیا اور ٹھکرا دیا گیا تھا کیونکہ وہ مکمل طور پر اسلام دشمنی اور انگریز پرستی کے آئینہ دار تھے۔ یہ تحریف دین اور اسلام و مسلمین کی بدخواہی کا ایسا شرمناک ڈرامہ تھا جس کی نظیر پہلے ملک کے اندر دیکھنے میں آئی نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے علاوہ دہابی علماء نے بھی موصوف کے خیالات کی تردید کی اور ان سے اظہار برات کیے بغیر نہ رہ سکے۔

کتنے ہی علماء نے موصوف کے غیر اسلامی عقائد و نظریات کے باعث ان کی تکفیر میں فتوے جاری کیے۔ حالات کی یہ ستم ظریفی ہے کہ آج تک برٹش نواز طبقہ یہ کہہ کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا آرہا ہے کہ ”سر سید احمد خان صاحب پر انگریزی زبان کی حمایت کرنے اور علی گڑھ کالج قائم کرنے کی بنا پر کفر کے فتوے لگائے گئے تھے“ حالانکہ ایسا ایک بھی فتویٰ نہیں دکھایا جاسکتا جو اس کے باعث موصوف کی تکفیر میں جاری کیا گیا ہو۔ دیوبندی جماعت کے مقتدر عالم مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے اپنے کسی معتقد کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

”ایک صاحب نے عرض کیا کہ سر سید کی وجہ سے

ہندوستان میں گڑ بڑ پھیلی، لوگوں کے عقائد خراب ہوئے۔

فرمایا: گڑ بڑ کیا معنی اس شخص کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے

ایمان تباہ و برباد ہو گئے۔ ایک بڑا گمراہی کا پھانک کھول گیا۔

اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوتے ہیں۔“ ۱۵

دوسرے کسی موقع پر موصوف نے نیچریت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان

لفظوں میں کیا تھا:-

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سر سید ”خان کی بیچ سے بڑی گمراہی

ہیں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں ڈاکٹر کفتر کے اعتراضات کا اپنی تفسیر کے

مناسب حصوں میں جب ان کا موقع آئے جواب دوں“ ۱۳

گویا کروڑوں روپیہ خرچ کر کے انگریز حکومت جو مقصد سینکڑوں پادریوں کے ذریعے حاصل نہ کر سکی وہ چند سکوں کے بدلے سر سید اینڈ کمپنی کے مسلم نما پادریوں کے ذریعے بڑی آسانی اور پوری راز داری سے حاصل ہونے لگ گیا تھا۔ چنانچہ ”انجیل“ کی علی گڑھی تفسیر کے بارے میں اپنے غیر اسلامی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے جناب حالی پانی پتی نے مسلمانان پاک و ہند کو مسلم نما عیسائی بنانے اور انگریز حکومت کی خوشنودی کا سٹوکیٹ حاصل کرنے کی خاطر یہ مضحکہ خیز اور تعجب انگیز بیان دیا تھا:-

”یہ تفسیر جو ”انجیل“ کو بجائے لغو سمجھنے کے جیسا کہ اب تک

خیال تھا واجب التعظیم بیان کرتی ہے اور اس کا ثبوت خود ”قرآن“ سے

دیتی ہے اس قابل ہے کہ اس کا ترجمہ مسلمانوں کی ہر زبان اور بالخصوص

عربی میں ہو کیونکہ مسلمانوں کے واسطے اس سے زیادہ مفید بات اور کوئی

نہیں ہو سکتی کہ وہ ”انجیل“ کو اسی عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگ جائیں

جس سے وہ ”قرآن“ کو دیکھتے ہیں۔“ ۱۴

سر سید احمد خان صاحب کے اسلام دشمنی اور برٹش نوازی کے مخصوص خیالات کو پنجاب کے سوا..... (۱)

۱۳ حیات جاوید، معارفہ حالی پانی پتی، ص ۱۷۲

۱۴ حیات جاوید، معارفہ حالی پانی پتی، ص ۱۷۲

(۱) ”مغرب کلیم“ میں ”پنجابی مسلمان“ کے حلق شاعر مشرق کا ارشاد ہے کہ:

مذہب میں بہت تازہ ہند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گذرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہوتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندہ کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخ نشین سے اترتا ہے بہت جلد

(رفیق)

دوسرا راستہ

انگریز بخوبی جانتے تھے کہ سرسید احمد خان (المتوفی ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) اور ان کے حواریوں کے ذریعے مغربی نظام تعلیم کو رائج کرنے میں تو خاطر خواہ مدد ملی ہے اور ان لوگوں کی وساطت سے سکولوں اور کالجوں کے نصاب میں غیر اسلامی عقائد و نظریات شامل کر دیئے گئے ہیں جن کے ذریعے نئی نسل کا ایمان تباہ و برباد ہوتا رہے گا۔ لیکن علمائے اسلام سے وابستہ رہنے والے مسلمان کبھی ان لوگوں کے آگے گھاس ڈالنے کو تیار نہیں ہوں گے۔ لہذا برٹش گورنمنٹ کو مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگوانے کی خاطر بااثر علماء کی ضرورت تھی۔ چنانچہ فرنگی شاطر نے ایسے بعض صاحبان جبہ و دستار خرید لیے اور ان کے ذریعے دہلی کالج سے مولوی سملوک اعلیٰ نانوتوی (المتوفی ۱۲۶۷ھ / ۱۸۵۱ء) کی سرکردگی میں مطلوبہ علماء کی کھپ تیار کروائی گئی۔ ان حضرات کے ذریعے تخریب دین اور افتراق بین المسلمین کا کام ایسی راز داری سے لیا گیا کہ شیطان بھی عیش عیش کراٹھا ہوگا۔ ہم نے ایسے تخریب کار علماء کے حقیقی خدوخال دکھانے کی خاطر ”معارف رضا“ جلد اول میں اتنا ٹھوس اور وافر تاریخی مواد جمع کر دیا ہے کہ دوسری کسی تصنیف میں شاید آج تک نظر نہ آیا ہوگا۔ ۱۸

یہاں ان چند اکابر دیوبند کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کے اشارہ چشم و ابرو اور اس کے وظیفوں، نذرانوں کے طفیل مقدس شجر اسلام میں

۱۸ ”معارف رضا“ کی جلد اول بعنوان ”مشعل راہ“ (فرید بکسال، اردو بازار لاہور) سے شائع ہو چکی ہے جو کہ ۱۰۰۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ ”معارف رضا“ کی چار جلدیں مرتب فرمانے کا ارادہ تھا (مشعل راہ ص ۲۷-۲۸) مگر افسوس صرف جلد اول ہی شائع ہو سکی۔ فاضل شہیر علامہ عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی امام اہل سنت محدث بریلوی قدس سرہ العزیز کی حیات و خدمات سے متعلقہ مطلوبہ تصانیف کی مدد سے ”معارف رضا“ اور جلد بھی مرتب کی جاسکتی ہے۔ (رفیق)

پھیلی۔ یہ نیچریت زینہ ہے اور جڑ ہے الحاد کی۔ اس کی پھر شاخیں چلی ہیں۔ یہ قادیانی اسی نیچریت ہی کا اول شکار ہوا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ استاد یعنی سرسید احمد خان سے بازی لے گیا اور نبوت کا مدعی بن بیٹھا۔“ ۱۶

مدرسہ دیوبند کے سابق صدر علامہ انور شاہ کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ / ۱۹۳۳ء) نے بانی

نیچریت کے متعلق لکھا ہے:-
سرسید ہو درجل زندیق او جاہل
سرسید زندیق یعنی ملحد آدمی ہے یا جاہل
اور گمراہ ہے۔
ضال

- ۱۵ ”الافاضات الیومیہ“ جلد پنجم ص ۸۴
- ۱۶ ”الافاضات الیومیہ“ جلد پنجم ص ۱۰۶
- ۱۷ ”میمیہ البیان بمشکلات القرآن“ ص ۳۲۰
- نوٹ: سرسید احمد خان صاحب (م ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء) کے متعلق معلومات کے لیے درج ذیل تصانیف ملاحظہ کریں۔
- (۱) ”الدلائل القاطعہ علی الکفرۃ النیاشرہ“ (۱۳۳۵ھ) امام احمد رضا خاں محدث بریلوی
- (۲) ”تصویر کا دوسرا رخ“ مفتی محمد تاج الدین نعیمی چشتی صابری
- (۳) ”مشعل راہ“ علامہ عبدالحکیم خان شاہجہانپوری ۱۰۰۸ صفحات
- (۴) ”سرسید کے کارنامے“ علامہ عبدالحکیم خان شاہجہانپوری (زیر طبع)
- (۵) ”تقدیم“ ”رسائل رضویہ“ (ج اول) علامہ عبدالحکیم خان شاہجہانپوری ۱۰۰۸ صفحات

(رفیق)

☆..... مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء) نے مرزا صاحب سے پہلے دعویٰ نبوت کی جانب راستہ بنانا شروع کیا تھا اور اس مقصد کے لیے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۲ء میں ”تذیر الناس“ کے نام سے ایک کتاب لکھ کر مسلمانوں کو یوں بہکانا شروع کیا کہ خردو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بلحاظ زمانہ آخری نبی ماننا جاہلوں کا خیال ہے قرآن کریم کا انکار ہے۔ ساتھ ہی تصریح کر دی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم زمانے کے لحاظ سے نہیں بلکہ مرتبہ کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں یعنی یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سب علیہم السلام سے آخر میں آئے ہیں بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا رتبہ سب علیہم السلام سے آخری یعنی بلند و بالا ہے اور اسے خاتمیت قرار دیتے ہوئے صاف لکھ دیا کہ حضور کے بعد اگر ہزاروں نبی اور بھی پیدا ہو جائیں تب بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ اور موصوف نے ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کر لیا کہ آج تک کسی بڑی سے بڑی ہستی کا ذہن خاتمیت کے حقیقی معنی تک پہنچا ہی نہیں تھا بلکہ حقیقی مفہوم تک آج تیرہ صدیاں گزرنے کے بعد رسائی ہوئی ہے اور وہ بھی صرف مولوی محمد قاسم نانوتوی کی جنہوں نے برٹش گورنمنٹ کی نگاہ لطف و کرم سے ”تذیر الناس“ لکھ کر ٹھکانے پر تیر مار دیا ہے۔ (۱)

☆..... مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) نے اپنے ایک مہری دستخطی فتویٰ میں اللہ جل شانہ کو کاذب بالفعل ٹھہرا دیا۔ ان کا یہ فتویٰ ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں میرٹھ سے شائع ہوا۔ ملک کے گوشے گوشے سے اس شرمناک اور صریح کفریہ فتوے کا رد شائع ہوتا رہا لیکن مرتے دم تک گنگوہی صاحب نے پندرہ سالوں میں اس فتوے کی نسبت

(۱) نانوتوی صاحب کی ”تذیر الناس“ کے ردِ مبلغ اور عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت و اشاعت میں امام اہل سنت و جماعت مولوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۳۱۷ھ/۱۹۰۰ء میں شاعر ”حقیقی کتاب“ ”جزاء اللہ عددہ باباء ختم النبوة“ (۱۳۱۷ھ) تصنیف فرمائی جو مکتبہ نبویہ لاہور سے دستیاب ہے۔ (رفیق)

پوری دیدہ دلیری سے غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگائیں اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء) کو اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کے پیش نظر جن کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کرنا پڑا۔ اسی المیہ کے بارے میں مدرسہ دیوبند کے ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن درہنگی (المتوفی ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء) نے صاف لکھ دیا تھا:-

”اگر خان صاحب (فاضل بریلوی) کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا تو خان صاحب (محدث بریلوی) پر ان علماء دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ ان کو کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے کیونکہ جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔“ ۱۹ ملخصاً

☆..... مرزا غلام احمد قادیانی (المتوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) انیسویں صدی کے آخر میں بہکے بہکے بیانات دے رہے تھے۔ کبھی مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے.... کبھی بتاتے کہ میں کرشن ہوں.... کبھی حیات مسیح (علیہ السلام) کا انکار کر کے ان (علیہ السلام) کی قبر کشمیر میں بتاتے.... اور کبھی مسیح موعود اور محدث وغیرہ بنتے رہے۔ علمائے اسلام تردید کرتے رہے اور سمجھے کہ شاید اس شخص کا دماغ خراب ہو گیا ہے.... لیکن برطانوی شرارت کا راز اس وقت کھلا جب انہوں نے صاف لفظوں میں ۱۹۱۰ء کے اندر کھل کر نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ ۲۰

- ۱۹ ”اشد لعنہ“ مصنفہ مولوی مرتضیٰ حسن درہنگی ص ۱۲
- ۲۰ مرزا غلام قادیانی کی تکفیر و تردید اور مذمت و مخالفت میں امام اہل سنت و جماعت مولانا احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی درج ذیل تصانیف ملاحظہ فرمائیں:-
- (۱) ”السوء والعتاب علی آج الکذاب“ (۱۳۲۰ھ)
 - (۲) ”قہر الدین علی مرتد قادیانی“ (۱۳۲۳ھ)
 - (۳) ”النبین ختم النبیین“ (۱۳۲۶ھ)
 - (۴) ”الجزایر الدیانی علی المرتد القادیانی“ (۱۳۳۰ھ)
 - (۵) ”المتحد المسعد بناء نجات الابد“ (۱۳۲۰ھ)
 - (۶) ”حسام الحرمین علی مسخر الکفر والبنین“ (۱۳۲۲ھ)
 - (۷) ”بین احکام و تعقیقات اعلام“ (۱۳۲۵ھ) ترجمہ حسام
 - (۸) ”بین الصدی فی ثقی امکان المصطفیٰ“ (۱۳۲۳ھ)
 - (۹) ”مجموعہ رسائل (رد قادیانیت)“

آخر الذکر کتاب اول الذکر رسائل اربعہ کا شاندار مجموعہ ہے۔ ان کے علاوہ ”احکام شریعت“ (سہ حصے) اور ”الطایا النبویہ فی القادی الرضویہ“ (۱۳ جلدیں) میں بھی رد قادیانیت میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتاویٰ دیکھے جاسکتے ہیں۔ (رفیق)

... نیز شیطان اور ملک الموت کو بھی وہ خدا تعالیٰ جل شانہ کے شریک نہ سمجھتے ہوں تو جو چیز قرآن و حدیث سے مخلوق کے ایک فرد کے لیے بھی ثابت ہے وہ دوسرے فرد کے لیے ثابت کرنا ہرگز شرک نہیں ہو سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ چیز اس دوسرے فرد کے لئے نصوص سے ثابت ہے یا نہیں؛ لیکن دریں حالات شرک کیسا؟ غرض یہ کہ کسی بھی شق پر محمول کیا جائے ہر صورت میں اٹھویں صاحب کی وہ عبارت صریح کفریہ ہے۔

☆..... مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کی ”حفظ الایمان“ پہلی دفعہ ۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء میں منظر عام پر آئی یعنی جس سال مرزا غلام احمد قادیانی کھل کر نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اسی سال دیوبندی حضرات کے مجدد دین و ملت نے شان رسالت میں یہ کھلی گالی شائع کروائی۔

موصوف سے کسی نے پوچھا کہ ”زید فلاں دلائل کے تحت خدا کے سوا دوسروں پر بھی لفظ عالم الغیب کے اطلاق کو جائز بتاتا ہے واضح کیا جائے کہ زید کے عمل اور عقیدے کا حکم کیا ہے؟“..... تھانوی صاحب نے اس عمل اور عقیدے کا شرعی حکم بتاتے ہوئے کہا کہ ”اگر ایسا عقیدہ کل غیب کی وجہ سے رکھا جاتا ہے تو اس کا بطلان دلیل عقلی و نقلی سے ثابت ہے اور اگر بعض علم غیب کی وجہ سے یہ عقیدہ ہے تو اس میں حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی کیا تخصیص ہے؟“ ایسا علم غیب تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو بھی حاصل ہے۔

یہ ہے تھانوی صاحب کی عبارت کا آسان لفظوں میں مفہوم جو یقیناً شان رسالت کی ایسی گستاخی اور اہانت پر مبنی ہے جس کی جرات کبھی کھلے کافروں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔

یہ دیوبندی حضرات ہی کا دل گردہ ہے کہ جب ان کے بعض علماء نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گندے عقیدے اور توہین آمیز کلمات جاری کیے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ کر اپنے علماء کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ یہی شرک کا وہ انتہائی درجہ ہے جسے ”قرآن کریم“

سے انکار نہیں کیا اور نہ اس کی کوئی تاویل و توجیہ ہی پیش کر سکے۔ جب پندرہ سال بعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں گنگوہی صاحب اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی جانب سدھار گئے تو موصوف کے معتقدین و متوسلین علمائے دیوبند نے شور مچانا شروع کر دیا کہ..... ”یہ تو ہمارے حضرت قطب الاقطاب اور امام ربانی صاحب پر تہمت ہے۔“ ہمارے گنگوہی صاحب نے ہرگز ایسا کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اور نہ کسی جگہ سے شائع کروایا۔

جب ان مناظرین سے کہا گیا کہ..... ”یہی بات آپ نے مذکورہ پندرہ سالوں کے اندر گنگوہی صاحب کے جیتے جی کیوں نہ کہی؟“

تو فہمت الذی کفر کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔

☆..... مولوی خلیل احمد صاحب اٹھویں (المتوفی ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء) کی رسوائے زمانہ کتاب ”براہین قاطعہ“ پہلی مرتبہ ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء میں شائع ہوئی۔ موصوف نے محیط زمین کا علم شیطان اور ملک الموت کے لئے نصوص سے ثابت بنا کر ایمان کی آنکھ پر یوں ٹھیکری رکھ دی کہ اسی علم کو سرور کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لئے ماننا اور ثابت کرنا ایسا شرک ٹھہرا دیا جس میں ایمان کا کوئی حصہ نہیں۔

اس عبارت کے مفاد سے دو شقیں سامنے آتی ہیں۔

۱۔ اگر محیط زمین کا علم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لئے ثابت کرنا واقعی شرک ہے تو لازم آئے گا کہ شیطان اور ملک الموت کو خدا تعالیٰ جل شانہ نے نعوذ باللہ خود اپنا شریک بنا لیا ہے اور یہ ماننا بھی لازم آئے گا کہ قرآن و حدیث بھی نعوذ باللہ شرک کی تعلیم دیتے ہیں۔

۲۔ اٹھویں صاحب کے نزدیک قرآن و حدیث اگر شرک کی تعلیم نہیں دیتے

نے اتخذوا احبارهم و دھانہم آرتاباً مِّنْ دُونِ اللّٰہ کے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ اسی شرک و کفر کے سمندر میں پڑے رہنے کے باعث ان حضرات کو خالص مسلمان بھی مشرک نظر آتے ہیں۔

تاریخ کرام کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کفریات کی ابتداء مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۲ء میں ”تذکرۃ الناس“ نامی کتاب لکھ کر کی جبکہ امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان پانچوں حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں ”المحمد المستند“ کے اندر ادا کیا۔ جائے غور ہے کہ کیا سمجھانے بجھانے خوف خدا اور خطرہ روز جزا یاد دلانے کے لیے یہ تیس سال کی مدت کافی نہیں تھی؟۔ اس دوران علمائے اہلسنت اور دیوبندی علماء کے درمیان متعدد مناظرے ہوئے۔۔۔ طرفین سے سینکڑوں کتابیں ان کفریات کے باعث لکھی گئیں لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان دشنامیوں نے پرناہ اسی جگہ رکھا اور کفریات لکھنے اور شائع کروانے والے چاروں اکابر دیوبند میں سے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نہ ہوئی کہ کسی سنی عالم کے سامنے ایک دفعہ بھی میدان مناظرہ میں آنے کی جرات کرتا اور اپنی خرافات کی تاویل و توجیہ پیش کرنے کی جرات کرتا۔ انہیں ذرا بھی اسلامی ثابت کرنے کی گنجائش نظر آتی تو ضرور سامنے آتے لیکن ستم بالائے ستم تو یہ کہ انہیں بدل کر اسلامی بنانے پر بھی ان میں سے کوئی آمادہ نہ ہوا۔

ان حضرات کے راہ راست پر آنے کفریات سے توبہ کرنے کی جب کوئی امید نظر نہ آئی تو ۱۳۲۰ھ میں ان کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا گیا اور اس کے تین سال بعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سرور کون و مکاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بارگاہ بیکس پناہ میں بلایا کہ دشنامیوں کے سرگروہ مولوی غلیل احمد صاحب اٹھوی کی موجودگی میں حرمین شریفین کی مقدس سرزمین پر حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ چنانچہ علمائے حرمین طہیین نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوے سے اتفاق کرتے ہوئے

اس پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھیں جن کے مجموعے کا نام ”حسام الحرمین“ ہے نیز آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ مکرمہ میں اس موقع پر جو ”الدولۃ المکیہ“ اور ”کفل المفقیہ“ کے نام سے کتابیں لکھیں انہیں بھی اپنی تقاریظ سے مزین کیا۔

علمائے حرمین شریفین نے مجدد ملت حاضره امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمی جلالت و وسعت کو دیکھ کر ایسا اعزاز و اکرام کیا کہ اس مقدس سرزمین پر متحدہ ہندوستان کے کسی بزرگ کو شاید ہی نصیب ہوا ہو۔۔۔ (۱) انہوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ سے سندیں اور اجازتیں لیں جن میں سے بعض ”الاجازات المکتبہ“ میں موجود ہیں۔۔۔ (۲) ان علمائے حرمین شریفین نے ایک جانب امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تائید و تصدیق کی اور انہیں مرجع خلائق، مرکز دائرہ تحقیق، بحر العلوم، امام زمانہ یگانہ روزگار اور چودھویں صدی کا مجدد قرار دیا تو دوسری جانب ان پانچوں حضرات کو لصوص دین، دائرہ اسلام سے خارج اور کافرو مرتد قرار دیا۔ ساتھ ہی بتا دیا کہ جو ان کے کفریات پر مطلع ہو کر ان کے غیر مسلم ہونے میں شک کرے وہ بھی کافرو مرتد ہو جائے گا۔ یہ شرعی فیصلہ اس مقدس سرزمین پر سرخیل مبتدعین، مولوی غلیل احمد صاحب اٹھوی کی موجودگی میں ہوا اور موصوف کو اس فیصلے کے خلاف بولنے، ایک لفظ بھی کہنے کی جرات نہیں ہوئی کیونکہ ان عبارتوں کی اندر اسلامی مفہوم و معانی کی رمت تک بھی نہیں ہے جس کے باعث بولنے اور زبان کھولنے کی جرات کرتے۔

علمائے حرمین کی تقاریظ کا مجموعہ ”حسام الحرمین“ کے نام سے ۱۳۲۳ھ میں اردو ترجمے

(۱) اس موضوع پر پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی تصنیف ”فاضل بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) علمائے حجاز کی نظر میں“ (مطبوعہ مرکزی مجلس رضا لاہور، بار سوم، ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) ملاحظہ فرمائیں (رفیق)

(۲) ”الاجازات المکتبہ لعلماء بکدۃ المدینہ“ (۱۳۲۳ھ) عربی متن مع اردو ترجمہ ”رسائل رضویہ“ جلد دوم، ناشر مکتبہ حادیہ لاہور (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) کے صفحہ ۲۳۵ پر ملاحظہ کیجیے (رفیق)

کے ساتھ اور ۱۳۲۶ھ میں ”تمہید ایمان“ سمیت منظر عام پر جلوہ گر ہو گیا۔ حرمین شریفین میں تو سرخیل مبتدعین کو تاریخی روپا ہی کے باعث راہ فرار اختیار کرنی پڑی تھی لیکن جہلا کو درغلانے اور اندھے مقلدوں کو بھاری وزن دکھانے کی خاطر مولوی خلیل احمد صاحب انٹھوی نے گھر میں بیٹھ کر ”المہند“ لکھنے کی چال چلی تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۸ء) نے ”الحقیقات لدفع التلبسات“ نامی رسالے کے ذریعے ”المہند“ کی ساری جہل بازی کا بھانڈا سر بازار پھوڑ دیا۔

مدرسہ دیوبند کے سابق گاندھوی صدر مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے ”الشہاب الثاقب“ کے نام سے ”حسام الحرمین“ کا جواب لکھا اور اس میں شان تحقیق یہ دکھائی کہ گالیوں کا بین الاقوامی ریکارڈ قائم کر دکھایا۔ شاید دنیا کی کسی کتاب میں اتنی گالیاں نہ ہوں جتنی موصوف کے اس شہکار میں ہیں۔ مفتی محمد اجمل شاہ سنہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۳ء) نے ”الشہاب الثاقب“ کا انتہائی مدلل اور تحقیقی رد لکھا اور ٹانڈوی صاحب کے عائد کردہ الزامات کی پوری طرح قلبی کھول کر رکھ دی۔ واضح ہو گیا کہ ان عبارتوں میں اگر ذرا بھی اسلامی پہلو ہوتا تو علمائے دیوبند صفائی میں غلط اور نامعقول راستے اختیار نہ کرتے۔

حقیقت تک پہنچنے کا زینہ

ذیل میں ہم قارئین کے سامنے چودہ ایسے حقائق پیش کرتے ہیں جن کی روشنی میں ہر انصاف پسند اور غیر جانب دار کو معاملے کی تہہ تک پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں رہے گی اور حقیقت اپنے اصل رنگ و روپ میں اس کے سامنے آ موجود ہوگی۔ دیوبندی حضرات بھی اگر

☆ ”رہشہاب ثاقب بروہانی خائب“ (۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) صفحات ۲۷۶

☆ ”دوسیف برائی درجوف لکھنوی دھانی“ (۱۳۵۲ھ) صفحات ۳۲۰

اجمل العلماء مفتی محمد اجمل شاہ سنہلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رد دیوبندیت و بابیت میں مذکورہ بالا اگر انقدر تصانیف کو ادارہ غوثیہ رضویہ مصری شاہ لاہور بخون ۱۹۹۱ء میں نئی آب و تاب کے ساتھ شائع فرمایا۔ (رفیق)

تھوڑی سی دیر کے لیے انصاف کی عینک لگا کر ٹھنڈے دل و دماغ سے ان چودہ حقائق پر غور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ حق و باطل انہیں واضح طور پر نظر نہ آ جائیں۔

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ. اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَالِيْهِ اُنِيْبُ

پہلا نکتہ:

اگر مذکورہ کفریہ عبارتیں لکھنے والے اکابر دیوبند میں دین و دیانت کا کوئی شائبہ باقی رہ گیا ہوتا اور برٹش حکومت کی شہ پر انہوں نے تخریب دین و افتراق بین المسلمین کا پیشہ اختیار نہ کر لیا ہوتا تو جب علمائے اسلام نے ان عبارتوں پر اعتراضات کئے تھے تو اسی وقت باہمی صلاح مشورے سے ان عبارتوں کو اس طرح بدل دیتے کہ ان میں قابل اعتراض پہلو نہ رہتا اور انہیں پوری طرح اسلامی عبارتیں بنا دیا جاتا۔ آخر ایسا کرنے میں رکاوٹ کیا تھی؟

جب ان عبارتوں کے لکھنے والوں نے ہرگز ایسا نہیں کیا بلکہ دور از تاویلات کے ذریعے انہیں اسلامی منوانے پر مصر رہے اور پورے ملک کے علمائے کرام کی صدائے احتجاج کو کمال دیدہ دلیری سے ٹھکراتے رہے۔ اپنی ہی چند عبارتوں کو وحی الہی کا درجہ دے لیتا .. اور رفع فساد کی خاطر ان میں ترمیم نہ کرنا بلکہ جھگڑنے کے لیے ہر وقت تیار رہنا بھلا مسلمانوں کے خرمین اتحاد میں اس طرح آگ لگانے کو کہاں تک دانشمندی اور دیانت داری کہا جاسکتا ہے؟

دوسرا نکتہ:

علمائے دیوبند اپنی کسی عبارت کو تبدیل کرنے اسلامی عبارت بنانے پر عمر بھر آمادہ نہ ہوئے حالانکہ خود یا باہمی صلاح مشورے سے وہ ایسا کر لیتے تو ان حضرات کی سلگائی ہوئی آگ جو مسلمانوں کے خرمین اتحاد کو آج تک جلا رہی ہے بجائی کو بجائی سے لڑا رہی ہے یہ

فتوے کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا کہ فتویٰ میرا نہیں ہے اور نہ ان کے معین میں سے کوئی بولا۔۔۔ جب پورے پندرہ سال کے بعد ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں گنگوہی صاحب ملک عدم کو سدھار گئے شہر خوشاں کے مکس جا ہوئے تو علمائے دیوبند کی زبانیں کھل گئیں اور دیوبندی مناظروں نے شور مچانا شروع کر دیا کہ ”فتویٰ ہمارے گنگوہیت مآب کا کب ہے۔ یہ تو گنگوہی سرکار ابد قرار پر بہتان ہے۔“ کیا اس حیا داری اور دیانت داری کا کوئی ٹھکانا ہے؟

سور داسوں کا گلہ کیا اُن کو دن بھی رات ہے
جان کر بنتے ہیں گنگوہی یہ کیسی بات ہے

پانچواں نکتہ

نانوتوی صاحب تو ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء میں ہی شہر خوشاں کے مکس ہو چکے تھے۔ گنگوہی صاحب بھی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء کے وسط میں ملک عدم کی جانب سدھار گئے کیونکہ ان کی تکفیر کا پروانہ علمائے حرمین شریفین کی تقاریر سے مزین ہونے والا تھا۔ بہر حال چاروں میں سے پیچھے دو حضرات بقید حیات رہ گئے تھے جنہیں کہ کافر و مرتد قرار دیا گیا تھا۔

۱۔ مولوی خلیل احمد صاحب ایشھوی جن کی ۱۳۳۵ھ/۱۹۲۶ء میں وفات ہوئی۔

۲۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جنہوں نے ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں رحلت کی۔

جائے غور ہے کہ مذکورہ فتویٰ تکفیر پر علمائے حرمین طہیین نے ۱۳۲۳ھ کے آخر اور ۱۳۲۴ھ کے شروع میں تقاریر لکھیں۔ ایشھوی صاحب ان تقاریر کے بعد بائیس سال اور تھانوی صاحب اسی سال بقید حیات رہے۔ اس طویل عرصے میں جہاں ان حضرات نے سینکڑوں ہیرا پھیریاں کیں اور ہر ممکن طریقے سے فتنہ و فساد کی آگ بھڑکائی وہاں ان حضرات کے لیے کیا یہ صاف اور سیدھا راستہ نہیں تھا کہ دونوں حضرات یا دونوں میں سے ایک ہی حرمین شریفین چلا جاتا اور بقول علمائے دیوبند اگر:-

اسی وقت مجھ جاتی۔ ملت اسلامیہ چاروں حضرات سے کہہ رہی تھی۔ ”الَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ وَثِیْقٌ“ لیکن وہاں رشد و ہدایت کا صرف نام ہی رہ گیا تھا۔۔۔ جب چاروں میں سے ایک نے بھی اپنی عبارت نہ بدلی تو اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ یہ حضرات برٹش حکومت کے وظیفوں اور نذرانوں کے باعث اس مقام پر پہنچ گئے تھے جہاں خود ان کی مرضی کا دخل بھی نہیں رہا تھا اور وہ حضرات اس درجہ بک گئے کہ چوں قلم در دست کا تب ہو گئے تھے۔

تیسرا نکتہ:

اگر اکابر دیوبند اپنی کفریہ عبارتوں میں خود یا باہمی صلاح مشورے سے تبدیلی کر لیتے اور اس کے بعد بھی ان کے مخالفین ان کی تردید کا سلسلہ جاری رکھتے تو واضح ہو جاتا کہ فریق ثانی کی نیت میں کھوٹ ہے اور وہ کسی کی شہ پر انہیں طعن و تشنیع اور رد و تردید کا نشانہ بنائے رکھنے پر مجبور ہے۔ وہاں تک تو نوبت ہی نہیں پہنچی کیونکہ ہزاروں علمائے اہلسنت کا یہی مطالبہ تھا کہ ”ان کفریہ عبارتوں کو بدل کر اسلامی بنا لیجئے“ ایسا کر لینے میں خود ان کا اور ساری ملت اسلامیہ کا بھلا تھا لیکن اکابر دیوبند نے ان کی آواز پر کان نہ دھرے بلکہ اپنے خیر خواہوں یعنی سمجھانے والوں سے ہمیشہ برسرِ پیکار ہی رہے حالانکہ ازراہ خیر خواہی وہ حضرات تو سمجھا رہے تھے وہ جھگڑ تو نہیں رہے تھے۔ اس کے باوجود معلوم نہیں اکابر دیوبند کو جھگڑنے اور فتنہ و فساد کا راستہ اختیار کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی؟

چوتھا نکتہ

گنگوہی صاحب جو چاروں اکابر دیوبند میں سرخیل اور پوری دیوبندی فوج کے قافلہ سالار لشکر تھے ان کا وقوع کذب باری تعالیٰ کے متعلق مہری و دستخطی فتویٰ ۱۳۰۸ھ میں میرٹھ شہر سے شائع ہوا۔ اسی وقت سے علمائے اسلام نے اس کے متواتر رد شائع کر دائے جو گنگوہی صاحب اور دیگر علمائے دیوبند تک پہنچتے رہے۔ گنگوہی صاحب نے زبان و قلم سے اس

چھٹا نکتہ

جب علمائے حرمین شریفین فتویٰ تکفیر پر دھوم دھام سے تقریظیں لکھ رہے تھے اور مجدد ملتِ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس مقدس سرزمین میں عدیم الظہیر اعزاز و اکرام کیا جا رہا تھا تو اس وقت کے دیوبندی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی غلیل احمد صاحب امٹھوی وہاں بنفس نفیس موجود تھے۔۔۔ اگر دھوکہ بازی اور قطع و برید والا ذرا سا معاملہ بھی ہوتا تو ضرور امٹھوی صاحب کی وضاحت کے خوف سے دھوکہ دیتے ہی فاضل بریلوی کو فوراً بھاگ آنا چاہیے تھا کیونکہ چور کے چہرے نہیں ہوتے مگر دنیا نے دیکھا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تو مکہ مکرمہ کے اہل علم میں ۲۲ صفر المظفر ۱۳۲۳ھ تک یوں جلوہ افروز رہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں کے جھرمٹ میں۔۔۔ اور مکہ مکرمہ سے جدہ پہنچنے کا راتوں رات تکلف فرمایا مولوی غلیل احمد صاحب امٹھوی نے۔۔۔ کیا کسی منصف مزاج کو حقیقت تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا کسی اور دلیل کی ضرورت ہے؟

ساتواں نکتہ

اس واقعے کے بعد امٹھوی صاحب نے اپنی بقیہ بائیس ۲۲ سالہ اور تھانوی صاحب نے اسی ۳۹ سالہ زندگی میں ایک مرتبہ بھی ایسی جرات نہیں کہ تصدیق کرنے والے علمائے حرمین طہیین کی خدمت میں حاضر ہو کر بتاتے کہ

”جس امٹھوی اور تھانوی عالم کی آپ حضرات نے تکفیر کی ہے وہ ہم ہیں اور ہمیں از روئے دلائل آپ کے فیصلے سے اتفاق نہیں ہے۔“

آٹھواں نکتہ

اگر فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی قسم کی دھوکہ بازی یا عبارات میں قطع و

۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع و برید کی تھی۔

۲۔ یا علمائے حرمین شریفین کو کسی قسم کا دھوکہ دیا تھا۔

۳۔ یا علمائے دیوبند کی ان عبارتوں کو من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنایا تھا۔
تو یہ حضرات علمائے حرمین کے سامنے اس دھوکے کی اچھی طرح وضاحت کرتے اور انہیں حقیقت سے مطلع کر کے حقیقت پر مبنی ان کے بیانات حاصل کرتے تاکہ وہ حضرات صاف وضاحت کر دیتے کہ ”ہمیں مولوی احمد رضا خاں محدث بریلوی نے دھوکے میں رکھا اور یہ مغالطے دیئے جن کے باعث ہم اس کے فتوے کی تائید و تصدیق کر بیٹھے تھے۔ ہمیں اب فلاں عالم نے اصل صورت حال سے مطلع کیا ہے لہذا ہمارے سابقہ بیانات اور جملہ تقاریر کو منسوخ شمار کیا جائے۔۔۔“

اگر حقیقت ”حسام الحرمین“ کے ذرا بھی خلاف ہوتی تو یہ دونوں اکابر دیوبند کبھی خاموش نہ بیٹھتے ہرگز اپنی گردن تیغ تکفیر سے نہ کٹنے دیتے اور تصدیق کرنے والے علمائے حرمین سے ضرور بیانات تحریری وصول کرتے لیکن جب صورت حال یہ سامنے آئی دونوں حضرات ساری عمر میں بھی تصدیق کرنے والے کسی ایک کی یا مدنی عالم سے ایسا بیان حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر علمائے دیوبند کا الزام لگانا کہ ”انہوں نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع و برید کی یا انہیں من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنایا یا علمائے حرمین کو کسی طرح کا دھوکا دیا“ یہ محض اپنا بھرم رکھنے کے لیے بے بنیاد الزامات لگائے ہیں جن کے بارے میں ہر منصف مزاج اور غیر جانب دار شخص بھی کہے گا کہ:

”ان الزامات کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور یہ دین و دیانت سے بعید ہونے کے ساتھ معاندانہ روشن کی المناک اور بھونڈی تصویر ہے۔“

مکتوب گرامی

صاحب الفضيلة والاخلاق والمجبة الجميلة حضرة السيد اسماعيل
الهندي محافظ الكتب

حضرت عندنا قبل تاريخه رجل من اهل الهند يقال له خليل احمد مع بعض
علماء الهند المجاورين بمكة يستعطف خاطرنا عليه لانه قد بلغه اني شديد الغيظ
عليه والا لا اعرفه شخصا

فقال يا سيدي بلغني انكم واحد من علي وذلک بسبب اني ذكرت
بأوقع منه في "البرهين القاطعة" لدى حضرة الامير حفظ الله
فقلت له لعلک خليل احمد انبتهی فقال نعم

فقلت له ويحك كيف تقول في "البراهين القاطعة" تلک
المقالات الشيعة وتجوز الکذب على الله جل جلاله كيف لا اغياظ علیک ولقد
کتبت علیها بانک رجل زنديق و كيف تعتذرو تنکرو وهي قد طبعت وشاعت
عنک

فقال يا سيدي هي لي ولكن ليس فيم تجوز الکذب على الله ولئن كان
فيها فانا نأب وراجع عما فيها مما يخالف اهل السنة والجماعة
فقلت له ان الله يحب التائبين "والبراهين" موجوده وساخرج لک منها
هذا الذي انکرتہ وتجاوزته به على الله جل شأنه

فصار ينتصل ويعتذرو يقول ان كان فهو مكذوب على اوانا رجل مسلم
مؤحد من اهل السنة والجماعة ماقلت فيها هذا ولا غيره مما يخالف مذهب اهل
السنة والجماعة

فتحييت منه كيف ينکر ما هو مطبوع في رسالته "البرهين القاطعة"

بريد کی تھی تو جس وقت علمائے حرمین شریفین ان کی تصدیق و تائید کرنے کے ساتھ ساتھ فتویٰ
تکفیر پر دھوم دھام سے تقاریر لکھ رہے تھے اور علمائے دیوبند کے بقول یہ سب کچھ
دھوکے میں ہو رہا تھا تو اس سے بہتر موقع زندگی میں اور کب آسکتا تھا کہ اسی وقت مولوی خلیل
احمد صاحب انٹھوی پردے سے نکل کر سامنے آجاتے علمائے حرمین کو صورت حال اور اس
حقیقت سے مطلع کرتے جو ان کے نزدیک تھی۔ اگر عین موقع پر وہ امام احمد رضا خاں بریلوی
رحمۃ اللہ علیہ کا ایک دھوکا یا کسی عبارت میں ایک بھی قطع و برید بالقابل ثابت کر دیتے تو
یقیناً فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس مقدس سرزمین میں اور اپنے وطن کے اندر زندگی بھر کسی کو
منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ جب انٹھوی صاحب نے ایسا نہ کیا تو ہر منصف مزاج اسی
نتیجے پر پہنچے گا کہ دھوکا دینے اور قطع و برید کرنے کے الزامات قطعاً بے بنیاد ہیں۔ یعنی:

حافظ بخود پو شید ایں جامہ نے آلود
اے شیخ پاک دامن معذور دارما را

نواں نکتہ

مولوی خلیل احمد صاحب انٹھوی نے اسی دوران سابق مفتی احتاف وقاضی مکہ مکرمہ
یعنی علامہ شیخ صالح کمال کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء) سے ۲۷ ذی الحجہ
۱۳۲۳ھ کو خفیہ ملاقات کی..... یہ ملاقات کیوں کی؟ نتیجہ کیا برآمد ہوا؟۔ یہ سب کچھ
اس مکتوب گرامی کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے جو علامہ صالح کمال کی رحمۃ اللہ علیہ نے اگلے ہی
روز محافظ کتب حرم فاضل جلیل علامہ یہ اسماعیل بن سید خلیل کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی
۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) کے پاس بھیجا تھا جو سب ذیل ہے۔

☆.....☆.....☆.....☆

ترجمہ مکتوب گرامی

اس پر وہ خوشامد اور عذر کرنے لگا اور کہنے لگا کہ ”اگر کوئی بات ہے تو وہ مجھ پر بہتان

☆ ☆ ☆ ☆

[illegible]

کبیدگی مبدل بہ فرح و سرور ہو گئی اور جملہ تقریرات حضرت مولانا کو انہوں نے تسلیم کیا اور بہت خوش ہوئے۔“ ۲۲

اگر ٹانڈوی صاحب کے مذکورہ بالا بیانات کو تھوڑی دیر کے لئے درست تسلیم کر لیں تو صرف ہاں یا نہ کہنے سے بات نہیں بن سکتی کیوں اس واقعہ کا تعلق علمائے ہند کے بہت بڑے علمی، فکری اور ایمانی تصادم سے ہے۔ ہر واقعہ کے اس تصادم پر اثرات دیکھے جائیں گے کہ وہ واقعے کی تصدیق کرتے ہیں یا تکذیب۔ مثلاً ٹانڈوی صاحب کے اس بیان ہی کو لیجئے تو ہر قاری کے پردہ ذہن پر یہ سوالات ابھر آئیں گے؟

۱۔ گویا مفتی صالح کمال صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ”براہین قاطعہ“ کی جو عبارت بتائی گئی تھی وہ بات جھوٹ نکلی اور پہلے اس کی وجہ سے جو کبیدگی تھی وہ مسرت میں تبدیل ہو گئی۔ انہوں نے رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھویں صاحب کی تمام تقریروں کو درست تسلیم کر لیا اور ان سے بہت خوش بھی ہو گئے تھے تو اٹھویں صاحب نے اگلا دن بھی نہیں چڑھنے دیا اور راتوں رات مکہ مکرمہ سے بھاگ کر جدہ کیوں جا پہنچے تھے؟

۲۔ کیا مفتی صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی تائید میں ایک لفظ بھی لکھ کر دیا؟
۳۔ موصوف نے اٹھویں صاحب کے خلاف ”تقدیس الوکیل“ پر جو تقریظ لکھی تھی کیا اسے منسوخ کیا؟ نہیں تو کیوں؟

۴۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”تقدیس الوکیل“ کی تائید میں جو اٹھویں صاحب کو زندیق قرار دیا تھا کیا وہ فیصلہ بدل دیا؟

۵۔ جب مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حقیقت معلوم ہونے پر اٹھویں صاحب سے بہت خوش ہو گئے تو انہیں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بہت ناراض ہو جانا چاہئے تھا لیکن ایسا کیوں نہ ہوا؟

باندھا گیا ہے اور میں مسلمان موجد اور اہلسنت و جماعت سے ہوں۔ میں نے اس میں یہ بات یا مذہب اہلسنت و جماعت کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔“

میں اس کی گفتگو سے متعجب تھا کہ کس طرح ایک ایسی بات کا انکار کر رہا ہے جو اس کے رسالہ ”براہین قاطعہ“ میں چھاپی جا چکی ہے جو ہندی زبان میں طبع ہوا۔ مجھ پر ظاہر ہو گیا کہ وہ ایسی باتیں روانہ کی طرح ازراہ تقیہ کرتا ہے جو تقیہ کو واجب گردانتے ہیں اور میں نے ”براہین قاطعہ“ لانے اور ایسے شخص کو بلانے کا ارادہ کیا جو اس زبان کو سمجھتا ہو کہ اس کے مندرجات کا اس سے اقرار کراؤں اور اس سے توبہ لوں۔ لیکن وہ ہمارے پاس آنے کے اگلے ہی روز جدہ کی جانب بھاگ گیا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں نے اس واقعہ سے آپ کو مطلع کرنا پسند کیا اور آپ سلامت رہیں۔

محمد صالح کمال

۲۸ ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

☆.....☆.....☆.....☆

اصلی صورت واقعہ تو یہ تھی اس کے باوجود مدرسہ دیوبند کے سابق صدر یعنی مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی (المتوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء) نے گاندھویت کی ترغیب میں محمد خلیل احمد صاحب اٹھویں اور حضرت مفتی صالح کمال رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس ملاقات کا حال یوں بیان کیا ہے:

”بعد ازاں مولانا (اٹھویں صاحب) ان سے رخصت ہو کر مفتی صالح کمال کے پاس بھی گئے۔ مفتی صاحب موصوف سے ملاقات بھی ہوئی۔
اولاً مفتی صاحب بوجہ ان باتوں کے کہ ان کو جھوٹ جھوٹ پہنچائی گئی تھیں۔ بیدہ خاطر معلوم ہوتے تھے اور کیوں نہ ہوں آخر ہر مسلمان پر ایسی باتوں کا اثر ہونا ضروری ہے مگر جب مولانا (اٹھویں صاحب) نے حقیقت حال کا انکشاف فرمایا اور میدان تقریر میں جو لانی فرمائی تو وہ

ہو سکتی ہے؟

۱۱۔ مذکورہ حقائق کی روشنی میں ٹائٹل دی صاحب کا مذکورہ بالا بیان من گھڑت جھوٹ اور افترا پر دازی ہے یا نہیں؟

۱۲۔ ”قرآن کریم“ میں ایسے سفید جھوٹ بولنے والوں کے لیے لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ آیا ہے یا نہیں؟

۱۳۔ اس درجہ جھوٹ بولنے والا ”قرآن کریم“ کے نزدیک لعنتی اور مردود الشہادۃ ہو گا یا شیخ الاسلام؟

۱۴۔ ایسا شخص جس دارالعلوم کا صدر ہو گا اس مدرسے کا دیانت و صداقت سے کتنا واسطہ ہو گا؟

۱۵۔ دریں حالات موصوف کی تصنیف ”الشہاب الثاقب“ کسی منصف مزاج کی نظر میں کس درجہ قابل اعتماد ہو گی؟

واللہ کبھی اہل نظر سے تو یہ پوچھو
کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

دسواں نکتہ:

دیوبندی حضرات یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ ”مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے اکابر دیوبند کی عبارتوں میں قطع و برید سے کام لے کر علمائے حرمین شریفین کو دھوکا دیا تھا۔۔۔ اگر دیوبندی مناظرین کی اس بات کو تھوڑی دیر کے لیے درست فرض کر لیا جائے تو ہر انصاف پسند اور صورت حال سے باخبر قاری یقیناً دیوبندی حضرات سے یہ پوچھنے پر مجبور ہو جائے گا۔

(۱) اگر اکابر دیوبند کی زیر بحث عبارتیں واقعی اسلامی ہیں اور انہیں غیر اسلامی بتانا صرف امام احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی کارگزاری ہے تو تمام اکابر دیوبند کے پیر و مرشد اور گنگوہی

۶۔ جب وہ انٹھوی صاحب سے خوش ہو گئے تو ناراض ہو کر دھوکا دینے والے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ”حسام الحرمین“ اور ”الدولۃ المکیۃ“ وغیرہ کی تقریظیں واپس کیوں نہ لیں؟

۷۔ جب مفتی صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ پر دھوکا کھل گیا تو انہوں نے دوسرے علمائے مکہ مکرمہ کو بھی بتا دیا ہو گا؟۔ دریں حالات دیگر علمائے مکہ مکرمہ نے اتنے دنوں میں کیوں اپنی ایک بھی تقریظ واپس نہ لی؟۔

۸۔ مفتی صالح کمال رحمۃ اللہ علیہ نے حقیقت سے دیگر علمائے مکہ مکرمہ کو یقیناً مطلع کیا ہو گا تو ان حضرات میں سے کسی ایک نے بھی بقلم خود یہ بیان کیوں نہ دیا کہ۔۔۔ ”ہمیں امام احمد رضا خاں بریلوی نے دھوکا دیا تھا“ جس کا راز ہم پر مفتی صالح کمال اور مولوی خلیل احمد صاحب انٹھوی صاحب کی ملاقات سے کھلا ہے۔۔۔“

۹۔ جب علمائے مکہ مکرمہ پر دھوکا کھل گیا تھا تو وہ ۲۳ صفر المظفر ۱۳۲۳ھ تک امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عدیم المثال اعزاز و اکرام کیوں کرتے رہے؟۔

☆ ان سے سندیں اور اجازتیں کس خوشی میں لے رہے تھے؟۔

۱۰۔ اس خفیہ ملاقات کے علاوہ کیا انٹھوی صاحب نے تصدیق کرنے والے کسی کی عالم کے روبرو ہونے کی جرات کی اور انہیں بتایا کہ:

میں نے مفتی صالح کمال صاحب پر مولوی احمد رضا خاں کا دھوکا واضح کر دیا ہے لہذا آپ بھی مطلع ہو کر اپنی تقریظیں واپس لے لیں اور مابعد دولت سے کبیدہ خاطر نہ رہیں بلکہ بہت خوش ہو جائیں جیسے کہ مفتی صاحب ہو گئے ہیں۔

کیا انٹھوی صاحب نے ”حسام الحرمین“ کی تصدیق کرنے والے مکہ مکرمہ کے کسی اور ایک عالم کو بھی منہ دکھایا؟۔ نہیں اور یقیناً نہیں دکھایا تو اس روپوشی کی وجہ کیا

آبادی مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گنگوہی و انبھوی صاحبان کے خلاف ”تقدیس الوکیل“ کی تائید فرمائی۔ آخر ایسا کیوں ہوا؟

(۳) خود حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے گنگوہی و انبھوی مریدوں کے رد میں لکھی ہوئی کتاب ”تقدیس الوکیل“ کی تائید و تصدیق فرمائی۔ کیا قبلہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دھوکا دے دیا گیا تھا؟

(۵) علمائے حریم تو ۱۳۰۲ھ میں ”انوار ساطعہ“ کی تائید کے باعث مجملہ اور ۱۳۰۷ھ میں ”تقدیس الوکیل“ کے سبب تفصیلاً مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولوی ظلیل احمد صاحب انبھوی کی برائی کر توت سے آگاہ ہو چکے تھے۔ (۱) دریں حالات ۱۳۲۳ھ میں جب امام احمد رضا خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی ”براہین قاطعہ“ کی وہی قابل اعتراض عبارتیں پیش کیں جو پہلے پیش ہو چکی تھیں اور علمائے حریم نے بھی وہی جواب دیا جو قبل ازیں سولہ سال پہلے ۱۳۰۷ھ میں دے چکے تھے تو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علمائے حریم کو کیا دھوکا دیا؟

(۶) علمائے حریم کو امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ناواقف سمجھنا بھی درست نہیں ہے۔ وہ حضرات صورت سے تو واقعی نا آشنا تھے۔ لیکن ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں ان حضرات نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ندوۃ العلماء کے رد میں لکھے ہوئے رسالے ”فتاویٰ الحرمین برہف ندوۃ المین“ پر تقریظیں لکھی تھیں۔ اس وقت سے وہ حضرات فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وسیع انظری کے قائل ہو کر آپ کی زیارت کے

(۱) نیز ”فتاویٰ الحرمین برہف ندوۃ المین“ (۱۳۱۷ھ) کے سوال و ہم میں ”تذکرۃ الناس“ (مطبوعہ صدیقی بریلی) کی عبارت اور جواب میں اس کی مذمت تھی جس کی تائید و تصدیق علمائے حریم شریفین نے فرمائی تھی۔ اس طرح وہ نفوس قدسیہ نا تواری صاحب کی تحذیری کر توت سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔

۲۷ ”فتاویٰ الحرمین برہف ندوۃ المین“ (۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) ”رسائل رضویہ“ جلد اول (جون ۱۹۸۸ء ناشر: مکتبہ حامد لاہور) کے صفحہ ۵۲ تا ۵۷ پر عربی متن مع اردو ترجمہ ملاحظہ کر سکتے ہیں (رفیق)

صاحب کے رحمۃ اللعالمین (۱) یعنی حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) نے مولانا عبدالمسیح رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء) کی کتاب ”انوار ساطعہ“ کی تصدیق و تائید تو فرمائی لیکن اس کے رد میں لکھی ہوئی اپنے گنگوہی و انبھوی مریدین کی مشترکہ کاوش بنام ”براہین قاطعہ“ کی تائید کیوں نہ فرمائی؟

(۲) اگر علمائے دیوبند کی وہ عبارتیں قابل اعتراض نہیں ہیں تو انبھوی صاحب کے خلاف مولانا غلام دہلوی قصوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء) نے ”مناظرہ بہاول پور“ کی جو روداد ”تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل“ کے نام سے شائع کروائی اور ۱۳۰۷ھ میں علمائے حریم شریفین نے اس پر تقریظ لکھیں تو پایہ حریم مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ (التوفی ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء) نے اپنی تقریظ کے اندر اپنے شاگرد مولوی رشید احمد گنگوہی کے متعلق لکھا کہ

وہ امت محمدیہ کے مخالف نام نہاد رشید اور بارگاہ رسالت کے گستاخ

ہیں۔

استاد اپنے شاگرد کے متعلق یہ فرما رہا ہے — کیا مولانا کیرانوی کو بھی دھوکا دیا

گیا تھا؟

(۳) حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سب سے نامور خلیفہ مولانا عبدالحق اللہ

(۱) گنگوہی صاحب بعد وفات حضرت حاجی صاحب بار بار فرماتے تھے:

”ہائے رحمۃ اللعالمین: ہائے رحمۃ اللعالمین“

(”اشرف السواخ“ جلد سوم صفحہ ۱۵۳)

کیونکہ گنگوہی صاحب کا کہنا تھا رحمۃ اللعالمین کا وصف حضور انور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) کے ساتھ

خاص نہیں ہے دوسرے بھی رحمۃ اللعالمین ہو سکتے ہیں ان کا فتویٰ ہے کہ:

”لفظ رحمۃ اللعالمین صفت خاصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہیں ہے۔“

(”فتاویٰ رشیدیہ“ جلد دوم ص ۹)

(رفیق)

غائبہ مشتاق تھے۔

۱۳۲۳ھ کے اندر چودھویں کا چاند اپنے چاہنے والے ستاروں کی جھرمٹ میں یا ... چودھویں صدی کا مجدد آسمان علم و عرفان کے ماہ پاروں کے درمیان جلوہ افروز تھا۔ وہ حضرات صورت کے شناسا تو نہیں تھے لیکن فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عقیدت ان کے دلوں میں موجزن تھی۔ دریں حالات دھوکا دینے کی بات کہاں تک درست ہو سکتی ہے؟

حالانکہ اگر دھوکا دیا ہوتا تو وہ حضرات کبھی محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس درجہ اعزاز و اکرام نہ کرتے اور اٹھویں صاحب اینڈ کمپنی کے آگے کچھ تو گھاس ڈالتے؟ کیا ہر منصف مزاج اسی نتیجے پر نہیں پہنچے گا کہ دھوکا دی کا الزام عائد کرنے والے حضرات خود ہی گم کردہ منزل ہو کر معاندانہ روش کا شکار تھے؟ افسوس!

راہزن خضر وہ کی قبا چھین کر
رہنما بن گئے دیکھتے دیکھتے

گیارہواں نکتہ

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) کو ساری دیوبندی جماعت حکیم الامت، مجدد دین و ملت بلکہ جامع المجہد دین تک کہتی ہے۔ یہ ہر صاحب علم جانتا ہے کہ مجدد اپنے دور میں دین برحق کا عدیم المثال علمبردار اور حق و صداقت کا ایسا بیباک ترجمان ہوتا ہے کہ وہ علمی میدان میں ہر رہزن دین و ایمان اور جملہ گمراہ گروں کو ساکت و صامت کر چھوڑتا ہے۔

سراپیت

کی نگہبانی میں وہ اپنے کام اور اپنی بے پناہ ملیت کے باعث ممتاز نظر آتا ہے۔ ملت اسلامیہ کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو گزشتہ ہر مجدد کی یہی شان نظر آئے گی۔ اگر تھانوی صاحب کو بھی مجدد فرض کر لیا جائے تو فرماؤ کہ ان میں یہ سوالات آؤں بھرتے ہیں۔

(۱) اگر تھانوی صاحب مجدد ہوتے تو سرمایہ ملت کی نگہبانی کرتے لیکن اس کے برعکس انہوں نے برضا و رغبت رہزنی کو پسند فرمایا اور کفر و ارتداد کے سمندر میں غوطہ جا لگایا۔ کیا مجدد

یہ کام کرتا ہے؟

(۲) اگر وہ مجدد ہوتے تو امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دلائل کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتے اور علمی میدان میں انہیں ساکت و صامت کر چھوڑتے۔ لیکن دیکھا یہی گیا ہے کہ تھانوی صاحب کو ساری عمر میں ایک دفعہ بھی فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے آنے کی جرات نہ ہوئی اور نہ ساری عمر میں امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کی کسی ایک دلیل کو غلط یا دعویٰ سے بیگانہ ثابت کر سکے۔ کیا مجدد علمی لحاظ سے اتنا کمزور اور اپنے معاصرین سے پست ہوتا ہے؟

(۳) دیکھا تو یہی گیا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تو رہے ایک طرف۔ تھانوی صاحب کو کسی بھی سنی عالم کے بالمقابل ہو کر اپنی پوزیشن صاف کرنے کی تادم آخر جرات نہیں ہوئی۔ کیا مجدد کا یہی مقام ہوتا ہے؟

(۴) تھانوی صاحب پر کفر و ارتداد کا الزام تھا اور وہ عمر بھر اس الزام کو غلط ثابت نہ کر سکے۔ کیا ملت اسلامیہ کی پوری تاریخ میں ایسا ایک بھی مجدد نظر آتا ہے جس پر ایسا سنگین الزام عائد کیا گیا ہو اور وہ اسے غلط اور بے بنیاد ثابت نہ کر سکا ہو؟ اگر تھانوی صاحب کے کسی معتقد کے علم میں کوئی ایسا مجدد ہے تو اس کی نشاندہی ضرور فرمائی جائے کیونکہ اس سے یقیناً ہماری معلومات میں اضافہ ہوگا۔

(۵) اگر تھانوی صاحب اپنے ملک میں شرماتے تھے تو علمائے حرمین شریفین کے پاس ہی چلے جاتے اور ان سے کہتے کہ:

”آپ نے جو میرے کفر و ارتداد کے فتوے کی تصدیق و تائید کی ہے۔

مجھے اس سے اتفاق نہیں کیونکہ ان دلائل و وجوہات کے باعث وہ فتویٰ

اور تصدیق و تائید سب غلط ہے۔“

لیکن اس کے برعکس تھانوی صاحب نے تصدیق کرنے والے ایک بھی سنی یا مدنی عالم کو منہ نہیں دکھایا۔ کیا شان تجدید یہی ہوتی ہے؟

(۶) اگر تھانوی صاحب یا دیگر اکابر دیوبند کی کفریہ عبارتوں میں ذرا بھی کوئی اسلامی پہلو

ہرگز اپنی شان کے شایاں نہیں سمجھتا۔ اس کے باوجود ٹانڈی صاحب حالانکہ اتنے بڑے مدرسے کی اتنی بڑی شخصیت تھے لیکن اپنے اکابر کی طرح وہ بھی معقول راستے کی طرف نہ گئے بلکہ نامعقول راستے ہی اختیار کیا جس کے باعث انہوں نے اس کتاب کے اندر گالیوں کی وہ دھواں دار بمباری کی کہ بین الاقوامی چیمپئن شپ جیت لی اور جھوٹے الزامات و بہتانات کے ذریعہ سابقہ سارے ریکارڈ توڑ دیئے اور دیکھا کہ شاید ان سے بھی کام نہ چلے اس لیے گھڑنت کا کرتب بھی دکھایا مثلاً۔

(۱) انہوں نے ”الشہاب الثاقب“ کے اندر اپنے ذہن سے دو ایسی کتابیں گھڑیں جن کا دنیا کے پردے پر کہیں وجود نہیں اور خود ٹانڈی صاحب نے انہیں خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔

(۲) دیانت و صداقت کا اس سے بڑھ کر ثبوت دیتے ہوئے موصوف نے ان کتابوں کے مطالعہ صفحات اور عبارتیں تک اپنے ذہن سے گھڑ لیں تاکہ حق کے علبردار ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

(۳) گاندھیت کی ترنگ میں یہاں تک ترقی کی کہ ان گھڑی ہوئی کتابوں سے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر حجت قائم کی کہ:

مولوی احمد رضا صاحب! تم یہ کہتے ہو حالانکہ تمہارے فلاں فلاں اکابر نے اپنی فلاں فلاں تصانیف میں ایسا لکھا ہے۔ اب بتاؤ تم سچے ہو یا تمہارے وہ اکابر سچے تھے؟۔۔۔۔۔

معلوم نہیں دیانت و صداقت اور حیا کا یہ کونسا درجہ تھا جس پر ٹانڈی صاحب فائز ہو گئے تھے؟

موصوف نے اپنی پہلی گھڑنت کا ذکر یوں فرمایا تھا:-

”جناب شاہ حمزہ صاحب مارہروی مرحوم ”خزینۃ الاولیاء“ مطبوعہ کان پور صفحہ ۱۵ میں ارقام فرماتے ہیں کہ

”علم غیب صفت خاص ہے رب العزت کی جو عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عالم الغیب کہے وہ بے دین

ہوتا تو یقیناً وہ فاضل بریلوی یا کسی سنی عالم یا کسی کمی و مدنی عالم کے روبرو ہو کر کہتے کہ: ”ماں ہماری عبارتوں میں کفریہ معانی بھی پائے جاتے ہیں“ لیکن فلاں اسلامی معانی بھی موجود ہیں لہذا ہماری ہر عبارت کو اسی اسلامی پہلو پر محمول کیا جائے کیونکہ آئمہ دین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ اگر کسی قول میں ننانوے پہلو کفر کے اور ایک اسلامی ہو تو اسے اسلامی پہلو پر ہی محمول کرنا چاہیے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ قائل نے کفریہ پہلو ہی مراد لیا ہے۔ چونکہ ہماری مراد وہی اسلامی پہلو ہے لہذا قائل کی مراد کے خلاف ہماری تکفیر غلط ہے۔“

اگر ان عبارتوں میں کسی اسلامی پہلو کی رمت بھی ہوتی تو تھانوی صاحب کبھی بھیگی ملی بن کر تھانہ بھون میں نہ پڑے رہتے۔ کیا جو زندگی بھر اپنا اور اپنے اکابر کا مسلمان ہونا ثابت نہ کر سکے وہ مجدد ہوتا ہے؟۔۔۔۔۔

(۷) اگر تھانوی صاحب مجدد ہوتے تو انگریزوں سے چھ سو روپیہ (۶۰۰) ماہوار وظیفہ کیوں پاتے؟ برطانوی وظیفے کا حوالہ اگلی بحث میں آرہا ہے۔ حقیقت یہی سامنے آتی ہے کہ اسی سات ہزار دو سو روپیہ (۷،۲۰۰) سالانہ کی بدولت تھانوی صاحب اپنے دار الخلافہ تھانہ بھون میں پڑے کفر پیزی کفر ریزی اور کفر خیزی کا کاروبار کرتے اور ”سیاں بھنے کو تو اب ڈر کا ہے کا“ والا نغمہ لاپتے رہے گویا:

نگاہ غور سے دیکھو تو عقدہ صاف کھل جائے
وفا کے بھیس میں بیٹھا تھا کوئی بے وفا ہو کر

بارہواں نکتہ

مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے ”حسام الحرمین“ کو بے اثر بنانے کی غرض سے ”الشہاب الثاقب“ نامی کتاب لکھی۔ اگر علمی اختلاف ہوتا اور علمائے دیوبند کے لیے اپنے اکابر کی حمایت میں کچھ کہنے کی گنجائش ہوتی تو ہر صاحب علم اپنے موقف کو علمی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس معقول راستے کو چھوڑ کر کسی نامعقول راستے پر جانے کو

مولانا مدنی (ٹائڈوی صاحب) پر ایک الزام بڑا بھیانک اور فکر انگیز لگایا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جن دو کتابوں ”خزینۃ الاولیاء“ اور ”ہدایۃ الاسلام“ سے ”شہاب ثاقب“ میں بعض اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ فی الحقیقت من گھڑت ہیں۔ جن مصنفوں کی طرف انہیں منسوب کیا گیا ہے انہوں نے کبھی ہرگز ہرگز یہ کتابیں نہیں لکھیں..... تاہم یہ قیاسات ہیں بلکہ محض عقلی تک بندی پر ہیں۔ حق یہ ہے کہ تحقیقی اور معقولی جواب یا تو مولانا مدنی (ٹائڈوی صاحب) کے بلند اقبال صاحبزادے مولوی اسعد طول عمرہ کے ذمہ ہے یا پھر ان مزیدین و متوسلین کے ذمے ہے جو بجا طور پر مولانا کی عقیدت و محبت میں سرشار ہیں“ ۹۴

اس سے پیشتر ”حسام الحرمین“ اور ”الدولۃ المکیۃ“ کے منظر عام پر آنے سے بوکھلا کر علمائے دیوبند نے مل جل کر ”سیف الہی“ نامی کتاب تیار کی۔۔۔ دیوبندی فوج کے ہر جرنیل نے پوری وقاداری سے اس کی تیاری میں حصہ لیا اور اسے تیار کر کے مدرسہ دیوبند

۱۔ ماہنامہ ”عقلم“ بابت فروری مارچ ۱۹۵۹ء

نوٹ: انہی مولوی حسین احمد ٹائڈوی (التوفی ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۶ء) کے خلاف معصوم پاکستان علامہ محمد اقبال نے درج ذیل بصیرت افروز قطعہ موزوں کیا جسے شہرت عام حاصل ہوئی

مجم ہنوز ندائے رموز دیں درنہ
دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است!
سرود بہ سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمدؐ عزلی است!
مصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ دوست
گر بہ لو نہ رسیدی تمام بولہبی است!

مزید تفصیلات کے لیے کتاب ”گاندہاظم کا مسلک؟“ (معتمد سید صابر حسین شاہ صاحب بخاری، مطبوعہ لاہور رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ/۲۵ دسمبر ۱۹۹۹ء) صفحہ ۳۶۳-۳۶۴ ملاحظہ فرمائیے (رفیق)

ہے۔ اس واسطے کہ آپ کو بذریعہ وحی کے امور مخفیہ کا علم ہوتا تھا جسے علم غیب کہنا گمراہی ہے ورنہ جمع مخلوقات نعوذ باللہ عالم الغیب ہے۔“ ۹۲

موصوف نے اپنی دوسری گھڑنت کا اظہار ان لفظوں میں فرمایا تھا:-

”مولوی رضا علی خاں صاحب ”ہدایۃ الاسلام“ مطبوعہ صبح صادق سینٹا پور صفحہ ۳۰ میں فرماتے ہیں:-

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم غیب بالواسطہ تھا اور یہ علی قدر مراتب سب کو حاصل ہے اور علم غیب مطلق و بالذات کا اعتقاد رکھنا مغنی الی الکفر ہے اور نص قطعی کے خلاف اس میں تاویل اور ہیر پھیر کرنا بے دین کا کام ہے۔“ ۹۳

اجمل العلماء مفتی سنبھل، مولانا محمد اجمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۳۸۳ھ/۱۹۶۴ء) نے ”رد شہاب ثاقب“ کے اندر دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر کی اس جلسازی پر ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء میں گرفت فرمائی اور علمائے دیوبند سے مطالبہ کیا کہ

”اگر سچے ہو تو یہ دونوں کتابیں دکھاؤ یا ان کے وجود کا ثبوت فراہم کرو“

آج کے دن تک کسی دیوبندی عالم سے نہیں ہو سکا کہ وہ کتابیں دکھا کر یا ان کا وجود ثابت کر کے اپنے صدر دیوبند کو سرخ رو کرے اور اس کلنک کے ٹیکے کو ہٹا سکے جو ٹائڈوی صاحب نے اپنی گاندھوی پیشانی پر برضا و رغبت لگایا تھا۔۔۔ اسی بے بسی کے عالم میں علامہ شبیر احمد عثمانی کے برادر زادہ یعنی مولوی عامر عثمانی دیوبندی (التوفی ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کی یہ تک بندی بھی دیدنی ہے:-

”کتاب (رد شہاب ثاقب) کے لب و لہجہ سے وحشت زدہ ہونے کے باوجود اتنا ہم انصافاً ضرور کہیں گے کہ مصنف (مفتی محمد اجمل سنبھلی) نے

۹۲ ”شہاب ثاقب“ مطبوعہ دیوبند ص ۹۹

۹۳ ایضاً: ص ۹۹

سے شائع کیا۔ علمائے دیوبند نے ”دیانت و صداقت کے تمام درجے طے کرتے ہوئے پوری حیا داری کے ساتھ“ اس کے اندر سات کتابیں اسی طرح اپنے مقدس اور سراسر پاکیزہ دماغوں سے گھڑیں اور اپنے ”نورانی ذہنوں سے“ انہیں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اکابر کی جانب منسوب کیا اور ”پورے روحانی تقدس کے ساتھ“ ان کتابوں کے مطابق ’صفحے اور عبارتیں تک اپنے مسکوتی دماغوں سے ایجاد کیں۔ پھر ان جعلی اور سراسر من گھڑت کتابوں کی من گھڑت عبارتوں سے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف حجت قائم کرنے لگے کہ

دیکھو تمہارے بڑے تو یوں فرماتے تھے“

حالانکہ یہ ساری کارگزاری لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ کی منہ بولتی تصویر تھی۔

اسی میں دیوبندی فوج کے سارے جرنیلوں نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے والد ماجد مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی مہر اپنے ”جنتی دماغوں“ سے گھڑی اور اس پر مہر بنوانے کا سال ۱۳۰۱ھ لکھ دیا جب کہ مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ۱۲۹۷ھ میں ہو گیا تھا۔ ۱

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ:

”اتنے بڑے بڑے دیوبندی عالموں نے مشترکہ طور پر جھوٹ بولا

یا دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔“

بلکہ ان حضرات کے ظاہری تقدس نیز جیوں اور عماموں کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ عالم اہلسنت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے وصال سے چار

۱۔ عالم اہل سنت مولانا نقی علی خاں بریلوی حنفی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (۱۲۳۷ھ/۱۸۲۰ء - ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) کے متصل حالات مبارکہ جاننے کے لئے محمد شہاب الدین رضوی کی تصنیف ”مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ“ (مطبوعہ لاہور، اکتوبر ۱۹۹۶ء) مطالعہ فرمائیں (رفعی)

سال بعد ہی مہر بنوائی ہوگی لیکن ایسا مان کر علمائے دیوبند کو جلسازی سے بچاتے ہوئے ہم خود پھنس جائیں گے کہ ”اگر مولانا نقی علی خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے وصال سے چار سال بعد ہی مہر بنوائی تو اپنی زندگی میں لکھی ہوئی مہر دیکھنے ”فرضی“ کتابیں اور ان کی فرضی عبارتیں علمائے دیوبند کو کیسے دے گئے تھے؟ — بہر حال یہ وہ راز ہے جس کی کتنی کو علمائے دیوبند کی دیانت و صداقت ہی کھول سکتی ہے..... دارالعلوم دیوبند کے سپہوتوں ”تقدس“ کے مجسموں کی ایسی ہی کارگزاریوں کے پیش نظر مجدد ملتِ حاضرہ محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجاب سے سید عبدالرحمن پتھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء میں بریلی شریف سے یہ اعلان عام کرنا پڑا:-

”ارے دم ہے کسی تھانوی، در بھنگی، سر بھنگی، سر بھنگی، انہی، دیوبندی، نانوتوی، کنگوئی، امرتسری، دہلوی، جنگلی و کوہی .. میں کہ ان من گھڑت کتابوں، ان کے صفحوں، ان کی عبارتوں کا ثبوت دے اور نہ دے سکے تو کسی علمی بحث یا انسانی بات میں کسی عاقل کے لگنے کے قابل اپنا منہ بنا سکے۔“ ۲۵

اگر دیوبندی حضرات کا تقویٰ و طہارت، انصاف و دیانت اور صداقت و حقانیت سے دور کا واسطہ بھی ہوتا تو وہ ایسی شرمناک اور انتہائی گری ہوئی شعبہ بازی اور افترا پردازی کے کبھی نزدیک بھی نہ پہنچتے..... حقانیت کے علمبرداروں کو خیانت اور جلسازی کا سہارا لینے کی قطعاً ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ صداقت کے اندر یہ پوری طاقت ہوتی ہے کہ وہ اپنی صداقت کو خود منوا لیتا ہے..... دریں حالات علمائے دیوبند کے ان شرمناک مظاہروں اور کرتبوں کو دیکھ کر ہر منصف مزاج یہی تو کہے گا۔

تائید میں دھوم دھام سے تقریظ لکھی۔

موصوف کی تقریظ کے چند جملوں کا ترجمہ قارئین کرام ملاحظہ تو فرمائیں:-
 ”حمد و صلوٰۃ کے بعد کہتا ہے بندہ ضعیف اپنے رب لطیف کے لطف کا
 امیدوار“ احمد کی چشتی صابری امدادی کہ میں اس رسالہ پر مطلع ہوا جو
 چاروں بیانونوں پر مشتمل ہے، قطعی دلیلوں سے موید اور ایسی حجتوں سے جو
 قرآن و حدیث سے ثابت کی گئی ہیں گویا وہ بے دینوں کے دل میں
 بھالے ہیں میں نے اسے تیز نکوار پایا۔ کافر، فاجر، دہائیوں کی گردن پر
 .. ”تو اللہ تعالیٰ اس کے مولف کو سب سے بہتر جزا عطا فرمائے اور اللہ
 تعالیٰ ہمارا اور اس کا حشر زیر نشان سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کرے اور
 ایسا کیوں نہ ہو کہ وہ دریائے زخار ہے“ صحیح دلیلیں لایا جن میں کوئی
 علت نہیں۔ اور سزاوار ہے کہ اس کے حق میں کہا جائے کہ وہ حق و
 دین کی مدد کرنے اور بے دینوں سرکشوں کی گردنیں قلع قمع کرنے پر قائم
 ہے۔ سن لو وہ پرہیزگار فاضل ستھرا، کامل، پچھلوں کا معتمد اور اگلوں کا
 قدم بقدم فخر اکابر، مولانا مولوی محمد احمد رضا خاں ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ
 اس کے امثال کثیر کرے اور مسلمانوں کو اس کی درازی عمر سے نفع بخشے
 (آمین)

کچھ شک نہیں کہ یہ طائفے صراحۃً دلیلوں کو جھٹلا رہے ہیں تو ان پر کفر کا
 حکم لگایا جائے گا۔ تو سلطان اسلام پر واجب ہے کہ ایسوں کی آلودگی
 سے زمین کو پاک کرے اور ان کے افعال و افعال کی قباحتوں سے لوگوں

وہ منزل میں سب گم ہیں مگر ایسوں تو یہ ہے
 امیر کارواں بھی ہیں انہیں گم کردہ راہوں میں

تیرہواں نکتہ

☆ حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء) اکثر اکابر
 دیوبند کے پیر و مرشد تھے جب کہ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تو انہیں رحمۃ العالمین ..
 کہتے تھے۔ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تمام مریدین و متوسلین میں مولانا عبدالحق لد آبادی
 رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علمی لحاظ سے سب میں فائق اور قبلہ حاجی صاحب کے معتمد خاص تھے کیونکہ
 وہ علم و فضل میں اپنی نظیر آپ تھے اور مکہ مکرمہ کے اندر ان کے علمی فیضان کے دریا بہہ رہے
 تھے۔ یہ بات تو معمولی سوجھ بوجھ والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ یا کوئی
 دوسرا شخص علمائے دیوبند کے بارے میں مولانا لد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو ہرگز دھوکا نہیں دے
 سکتا تھا۔ کیونکہ نہ وہ علمائے دیوبند سے نا آشنا تھے اور نہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا
 متحدہ ہندوستان کے کسی دوسرے سنی عالم سے ناواقف تھے۔ موصوف نے سب کچھ دیکھ بھال
 کر امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توصیف اور علمائے حرمین کی ہم نوائی کی
 تھی۔ بغیر دیکھے بھالے وہ اپنے پیر بھائیوں کے خلاف ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے۔
 چنانچہ ”حسام الحرمین“ کے اندر ان کی تقریظ پانچویں نمبر پر ہے۔

☆ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تائید کرنے والے علمائے مکہ مکرمہ میں حضرت
 حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے خلیفہ مولانا شیخ احمد کی امدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
 بھی ہیں۔ موصوف نے بھی اپنے پیر بھائی اکابر دیوبند کے کفر و ارتداد کا حکم شرع
 بیان کرنے میں ذرا جھجک محسوس نہیں کی اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی

متین کو پھینکنے والا ہے اور ان میں کوئی ضرورت دین کا انکار کرتا ہے جن پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔

تو اسلام میں ان کا نام و نشان کچھ باقی نہ رہا جیسا کہ کسی جاہل سے جاہل پر بھی پوشیدہ نہیں“ ۲۷

موصوف کی ایمانی فراست کا کرشمہ ان کے ان لفظوں کے آئینے میں دیکھئے:-
”مجھے ایسا علم یقین حاصل ہوا جس میں اصلاً شک نہیں کہ یہ کافروں کے یہاں کے منادی (ایجنٹ) ہیں۔ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو باطل کرنا چاہتے ہیں۔“ ۲۸

مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بجا فرمایا واقعی یہ حضرات کسی کی آواز ہو کر رہ گئے تھے۔ چند سکوں اور چند روزہ زندگی کے راحت و آرام کی خاطر ایمان جیسی متاع عزیز کو بھی داؤ پر لگا دیا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کیا لیکن ان حضرات کے جہوں اور عماموں کے باعث مولوی اور پیر کہلانے کے سبب کتنے ہی مسلمان آج تک دھوکا کھا رہے ہیں اور ان کے پیچھے لگ کر ان کی محبت کا شکار ہو کر مفت میں اپنے ایمان کی دولت کو ضائع کر بیٹھتے ہیں۔

علامہ سید اسماعیل مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان ہندی لصوص دین کے چہروں پر پڑی ہوئی نقدیں کی نقاب کو ہٹا کر اسی تقریب میں یوں حقیقت کا اظہار بھی فرمایا:-

”حاصل یہ کہ زمین ہند میں سب طرح کے فرقے پائے جاتے ہیں اور یہ باعتبار ظاہر ہے ورنہ وہ حقیقت میں کافروں کے راز دار (ایجنٹ) ہیں اور

۲۷ ”حسام الحرمین“ مطبوعہ لاہور ص ۱۳۶
۲۸ ”حسام الحرمین“ مطبوعہ لاہور ص ۱۳۶

کو بچائے۔“ ۲۶

امدادی بارگاہ کے اس فیصلے کو دیکھ کر یہ شعر بے ساختہ نوک قلم پر آگیا

ہوا ہے مدعی کا فیصلہ اچھا مرے حق میں
زیلغا نے کیا خود پاک دامن ماہ کنعاں کا

☆ مولانا عبدالحق امدادی (۱۹۰۱ء) الہ آبادی مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نامور شاگرد یعنی مولانا سید اسماعیل بن سید خلیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) کے ہاشمی تیر اور امدادی جوہران کی تقریب کے ہر لفظ سے عیاں ہیں اور موصوف کی تقریب میں ایمانی فراست کے مظاہرے کو دیکھ کر ہر منصف مزاج پھڑک اٹھے گا اور بے ساختہ داد دینی پڑے گی کہ متحدہ ہندوستان کے اندر رہتے ہوئے کتنے ہی اہل علم حقیقت کی تہہ کو نہ پاسکے لیکن اتنی دور رہتے ہوئے موصوف نے الفاظ کے آئینے میں جھانک کر حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے: اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُورِ اللَّهِ۔ ”حسام الحرمین“ کے اندر موصوف کی تقریب چھٹے نمبر پر ہے۔ ان کی تقریب کے چند جملوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:-

”حمد و صلوة کے بعد کہتا ہوں کہ یہ طالب نے جن کا تذکرہ سوال میں واقع

ہے۔ غلام احمد قادیانی اور رشید احمد جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد

ابھٹوی اور اشرف علی وغیرہ ان کے کفر میں شبہ نہیں نہ شک کی مجال بلکہ جو

ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے

میں توقف کرے تو اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں کہ ان میں کوئی دین

۲۶ ”حسام الحرمین“ مطبوعہ لاہور ص ۱۲۹ تا ۱۲۱

دین کے دشمن ہیں اور ان باتوں سے ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں۔“ ۲۹

واقعی یہ انگریزوں کا برطانوی منصوبہ تھا کہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر ان کی اجتماعی قوت کو ختم کر دیا جائے (۱) اور دوسری جانب ان کے کانوں میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے ایسی باتیں ڈالی جائیں جن کے باعث ان کا ایمان اپنی موت مر جائے اور جس ایمانی قوت کے سامنے کفر ٹھہر نہیں سکتا، انگریزوں کے مقابلے پر وہ قوت ہی نہ رہے۔ برٹش گورنمنٹ کے اس گھناؤنے منصوبے کو کامیابی سے ہٹکار کرنے کی خاطر جن ہندی حضرات نے اپنے دین و ایمان تک کا سودا کر دیا تھا اور اسلامیان ہند کو ایمان سے محروم کرنے کا بیڑہ

۲۹ ”حسام الحرمین“ مطبوعہ لاہور، ص ۱۳۳

نوٹ: اسی حقیقت کا انکشاف اسی بزرگ شخصیت مولانا سید اسماعیل بن سید ظلیل، حافظ کتب حرم شریف (دسمال ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) نے چھ سال قبل ”قادیانی الحرمین برہنہ ندوۃ البین“ (۱۳۱۳ھ/ ۱۹۱۳ء) کی تقریر میں بھی ان الفاظ میں کیا تھا: ”نظاہر ان حداسن رسائل الکفرۃ ویدل علیہ تسمیہ لہ بعد الام“

”ظاہر یہ مجلس کافروں کے مکرہانی سے ہے جس پر اس کا نام عدوہ رکھنا ہی دلیل ہے۔“

(”قادیانی الحرمین“ (۱۳۱۳ھ) مشمولہ ”رسائل رضویہ“ حصہ اول، مطبوعہ لاہور، ص ۱۸۸-۱۸۹)

یہ حضرات یہ سب برٹش سرکار کی سرپرستی میں کر رہے تھے۔ ملا اخوند جان بخاری، مجاور حرمین شریفین نے بھی اسی نکتہ کی تائید ان الفاظ میں فرمائی تھی:

”مع کوہیم بین الکافین من الکفرۃ والفرقۃ القدریۃ والحدیثۃ الکثیرہ کیوم من الشمر ویس لم حاکم سنی یز جراحہم ویسرم من البلد ہاتمر واعدائهم محلون بعد اسمم المباطلہ ویمجدون فی ترویجہا طلیعہ العاطلہ..“

”حالانکہ وہ اپنے مخالفوں کافروں اور نئے پرانے گمراہ فرقوں میں ایسے ہیں جیسے سینے میں ایک دن۔ اور ان کا کوئی حاکم سنی نہیں جیسے ان کے دشمنوں کو جھڑکنا اور بالجبر شہر سے نکال دینا ممکن۔ اور ان کے دشمن اپنے باطل مذہب علانیہ کا رہے ہیں اور اپنی بے معنی خرافات پھیلانے میں خوب جان لڑا رہے ہیں۔“

(”قادیانی الحرمین“ (۱۳۱۳ھ) مشمولہ ”رسائل رضویہ“ حصہ اول، مطبوعہ لاہور، ص ۱۹۲-۱۹۳)

(۱) ”پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو“ (Divide and rule) اہل مغرب بالخصوص فرنگیوں کی فی زمانہ ایسی جانی بچانی پالیسی ہے جو آج کسی تحارف کی محتاج نہیں۔ امام اہل سنت، محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں ”حسام الحرمین“ کے عربی الفاظ اور اردو ترجمہ کی اشاعت سے مسلمانان ہند کو آگاہ فرمادیا تھا۔ (رفیق)

اٹھایا ان گندم نما جو فروش قسم کی ہستیوں میں یہ پانچوں حضرات سب سے نمبر لے گئے۔ ہندی مسلمانوں کے ایمان و اتحاد کے خرمین میں ان پانچوں حضرات نے جو آگ لگائی وہ آج تک بجھنے میں نہیں آئی بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اور شدت سے بھڑکتی جا رہی ہے۔ افسوس۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یہی ملت اسلامیہ کے بطل جلیل، علامہ سید اسماعیل بن سید ظلیل کی آفتدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو ۱۳۱۳ھ میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ ”فتاویٰ الحرمین برہنہ ندوۃ البین“ پر تقریر لکھنے کے وقت سے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ میں عقیدت کے پھول نچا کر کرتے اور یادوں کے چراغ جلانے رکھتے تھے۔ جب سات سال انتظار کرنے کے بعد ۱۳۲۳ھ میں اسی چودھویں صدی کے آفتاب علم و عرفان کو اپنی نگاہوں کے سامنے جلوہ گر پایا تو پروانہ وار شمار ہونے لگے۔ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تائید میں تقریر لکھتے ہوئے مجدد برحق کے بارے میں حق و صداقت کے اس پرستار کا قلم صافی قرطاس پر یوں عقیدت و حقیقت کے موتی نکھیرتا چلا گیا:

میں اللہ عزوجل کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے اس عالم باعمل کو مقرر

فرمایا جو فاضل کامل ہے، معجزوں اور فخروں والا، اس مثل کا مظہر کہ

اگلے پچھلوں کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے، یکنائے زمانہ اپنے وقت کا

یگانہ، حضرت احمد رضا خاں، اللہ بڑے احسان والا پروردگار اسے سلامت

رکھے، ان کی بے ثبات حجتوں کو آیتوں اور قطعی حدیثوں سے باطل کرنے

لئے اور وہ کیوں نہ ایسا ہو کہ علمائے مکہ اس کے لئے ان فضائل کی

گواہیاں دے رہے ہیں اور اگر وہ سب سے بلند مقام پر نہ ہوتا تو علمائے

مکہ اس کی نسبت یہ گواہی نہ دیتے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے

.. خالق ارض و سماء (جل جلالہ) اور باعث تخلیق کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کا علم مساوی ہے۔ یہ صریح جھوٹ بالکل افترا اور بدترین بہتان ہے۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت اور ظالموں کا ٹھکانہ برا ہے... انہیں ملعون اتہامات کو دفع کرنے کے لئے حرمین شریفین کے ہمارے سرداروں اور علماء کی تقاریر لکھی گئیں“ اس

جہاں متحدہ ہندوستان میں امدادی کیمپ سے بغاوت کرنے اور تخریب دین و افتراق بین المسلمین کو اپنا نصب العین و مشغلہ بنانے والے اکابر دیوبند کا اندرون ملک قبلہ حاجی صاحب کے متوسلین نے ناطقہ بند کیا ہوا تھا.... وہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے امدادی علماء نے برٹش حکومت کے ایماء و اشارے پر مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگانے والے اکابر دیوبند کی اسلام دشمنی کا شرعی حکم بیان کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کی اور اپنی شرعی ذمہ داری کو نبھانے والے دیگر علمائے حرمین طہیین سے ذرا بھی پیچھے نہیں رہے۔

ان حقائق کو دیکھ کر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بارگاہ سے اکابر دیوبند راندہ درگاہ ہو چکے تھے اور ان مہربانوں کا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کوئی دینی ایمانی رشتہ باقی رہ نہیں گیا تھا۔

حاجی صاحب موصوف نے اپنی زندگی میں اسے یہی سمجھا ہوگا کہ ان کے متوسلین میں علمی اختلاف واقع ہو گیا ہے جس کا منہ علمائے دیوبند کی غلط فہمی اور بعض مسائل کو حقیقت کو سمجھ نہ پانے کے باعث ہے.... یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے متوسلین کے درمیان سے اختلاف کی خلیج کو ہٹانے کی خاطر ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ نامی کتاب لکھی اور اختلافی امور کے بارے میں اپنا عقیدہ و عمل واضح فرما دیا تاکہ جو انہیں اپنا روحانی پیشوا اور پیر و مرشد مانتے ہوں وہ اس کے

حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق و صحیح ہے۔“

☆ مولانا عبدالحق آبادی مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دوسرے شاگرد مولانا کریم اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی مراجعت کے بعد بھی ”الدولۃ المکیۃ“ کی تقاریر کے لیے سب سے بڑھ کر کوشش کی اور عالم اسلام کی مایہ ناز شخصیت ”محقق یگانہ عشق رسول کی شمع فروزاں علامہ یوسف بن اسماعیل مہامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ”الدولۃ المکیۃ“ بھیج کر اور باصرار نامہ و پیام کر کے تقریر حاصل کی (۱) موصوف ہندوستانی عالم اور حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی و روحانی فرزند تھے۔ موصوف نے اپنی تقریر کے اندر امدادی کیمپ سے بغاوت کرنے والے اکابر دیوبند کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

”حردنعت کے بعد میں نے واقعیت حاصل کی ”الدولۃ المکیۃ“ کی جو امام بزرگ، محقق، مکتہ رس سیدی و ملاذی اس زمانے کے مجدد، عبدالمصطفیٰ، ان پر روح و دل فدا ہوں یعنی مولانا احمد رضا خاں اللہ حنان منان انہیں سلامت رکھے کی تالیف ہے تو جو کچھ جھوٹے وہابی، دروغ باف گنگوہی کے تبعین وغیرہ ان کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ ہمارے بزرگ سردار (فاضل بریلوی) اللہ ان کا ذکر بلند کرے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ

۱۳۳۳ھ ”حسام الحرمین“ مطبوعہ لاہور ص ۱۳۳

(۱) علامہ یوسف بن اسماعیل جہانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۶۵ھ/۱۸۴۸ء - ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۲ء) کی منتخب تصانیف کے درج ذیل اردو تراجم شائع ہو چکے ہیں:

(مطبوعہ لاہور)

(۱) ”فضائل درود“ مترجم: مولانا حکیم محمد امجد قاروی

(مطبوعہ لاہور)

(۲) ”جواہر الہماز“ مترجم: علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

(مطبوعہ لاہور)

(۳) ”برکات آل رسول“ مترجم: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات زندگی کے لئے آخر الذکر دونوں تصانیف کے مقدمے مطالعہ فرمائیں نیز ”ناپختہ فلسطین“ (مرتبہ: خلیل احمد رنا صاحب۔ مطبوعہ لاہور) ملاحظہ کیجئے

(ذریعہ)

انہوں نے جواب دیا کہ ”استاذ کا حکم ماننا ضروری تھا اس لئے میں نے
آدمی کتابیں تو جلا دیں اور آدمی میزے پاس محفوظ ہیں۔“
حضرت خواجہ (حسن نظامی) صاحب بیان کرتے تھے کہ مولانا تھانوی اس
سے اتنے خوش ہوئے کہ آم کھا رہے تھے۔ فوراً دو آم اٹھا کر مجھے انعام
دیئے۔“ ۳۲

میرا خیال ہے کہ قارئین کرام کو اب یہ سمجھنے میں ذرا بھی الجھن نہیں رہی ہوگی کہ
دیوبندی بیڑے کے ناخدا یعنی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ان دنوں مقدس اسلام سے
بغاوت کر کے برٹش گورنمنٹ کے امام ربانی اور قطب الاقطاب بن گئے تھے۔ اب وہ
حکومت وقت کے ہاتھوں میں چوں قلم در دست کاتب تھے۔ اب تخریب دین و افتراق
بین المسلمین سے باز آکر اصل اسلام کی جانب لوٹنا ان کے بس کی بات نہیں رہ گئی تھی کیونکہ
چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کی خاطر انہوں نے دارین کی اپنی ساری متاع فروخت کر دی
تھی۔ دریں حالات وہ اپنے پیر و مرشد کی کوئی اسلامی و ایمانی بات ماننے سے مجبور بنے بیٹھے
تھے لہذا ان حالات میں قبلہ حاجی صاحب کے فیصلے کا ان کی پارگاہ میں وہی حشر ہونا تھا جو گنگوہی
صاحب نے کر کے دکھا دیا۔

دیکھو تو دلفریب انداز نقش پا
موج خرام یار بھی کیا گل کتر مٹی

چودھواں نکتہ

مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۰۸ھ / ۱۸۹۰ء) متحدہ
ہندوستان کے ایک مایہ ناز اور بلند پایہ عالم ہو گزرے ہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور

مطابق اپنا عقیدہ عمل رکھیں گے اور جو اپنے پیر و مرشد کے عقیدے اور عمل کے خلاف جائیں
گے ان کی بغاوت سب پر خود واضح ہو جائے گی۔
حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ علیہ کا رفح اختلاف کی خاطر یہ کتابچہ مکہ مکرمہ سے
اشرف علی صاحب تھانوی کے پاس آیا اور قبلہ حاجی صاحب نے ان کے لیے حکم بھیجا
کہ:

”اے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس بھیج دیا جائے۔“
جب اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو سرکار گنگوہیت مآب نے اپنے پیر و مرشد کے مسئلہ تمام
کتابچوں کو جلا دینے کا حکم صادر فرمایا۔ گنگوہی صاحب نے ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ کی جملہ کاپیاں
جلا دینے کا حکم اپنے شاگرد خواجہ حسن نظامی کو دیا تھا۔ یہ واقعہ خواجہ حسن ثانی نظامی دہلوی کی
زبانی سنے اور غیر جانب دار ہو کر معاملے کی تہہ تک پہنچے:

”نذر آتش کرنے کی یہ خدمت والدی حضرت خواجہ حسن نظامی کے سپرد
ہوئی جو اس وقت گنگوہ میں حضرت مولانا رشید احمد (گنگوہی) کے ہاں
زیر تعلیم تھے لیکن خواجہ صاحب نے جلانے سے پہلے اس کو پڑھا اور
جب ان کو وہ کتاب اچھی معلوم ہوئی تو انہوں نے استاد کے حکم کی تعمیل
میں آدمی کتابیں تو جلا دیں اور آدمی بچا کر رکھ لیں۔“

اس کے کچھ عرصہ بعد مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا گنگوہی سے ملنے
آئے اور ان سے پوچھا کہ ”میں نے کچھ کتابیں تقسیم کرنے کے لیے
آپ کے پاس بھیجی تھیں ان کا کیا ہوا؟“ مولانا گنگوہی نے اس کا جواب
خاموشی سے دیا لیکن کسی حاضر الوقت نے کہا کہ ”علی حسن (خواجہ حسن
نظامی) کو حکم ہوا تھا کہ انہیں جلا دو“ مولانا تھانوی نے میاں علی حسن
(خواجہ حسن نظامی) سے پوچھا کہ ”کیا واقعی تم نے کتابیں جلا دیں؟“

ابٹھوی صاحبان کے خلاف مولانا غلام دھگیر قصوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) کی تصنیف لطیف ”تقدس الوکیل“ پر تقریظ لکھی۔
معزز قارئین پہلے ان کی تقریظ کے چند ابتدائی جملے ملاحظہ فرمائیں:-

”بعد حمد اور نعت کے کہتا ہے راجی رحمۃ ربہ النان رحمۃ اللہ بن خلیل الرحمن غفرلہ الحنان کہ مدت سے بعض باتیں جناب مولوی رشید احمد صاحب کی سنتا تھا جو میرے نزدیک اچھی نہ تھیں اعتبار نہ کرتا تھا کہ انہوں نے ایسا کہا ہو گا اور مولوی عبدالمسیح صاحب جو ان کو میرے سے رابطہ شاگردی کا ہے، جب تک مکہ معظمہ میں نہیں آئے تھے تحریراً منع کرتا تھا اور مکہ معظمہ میں آنے کے بعد تقریراً بہت تاکید سے منع کرتا تھا کہ آپس میں مختلف نہ ہوں اور علمائے دیوبند کو اپنا بڑا سمجھو۔ پر وہ مسکین کہاں تک صبر کرتا۔ اور میرا اعتبار نہ کرنا کس طرح مستدر رہتا کہ حضرات علمائے مدرسہ دیوبند کی تحریر اور تقریر بطریق قوا تر مجھ تک پہنچی ہے، تمام افسوس سے کچھ کہنا پڑا اور چپ رہنا خلاف دیانت سمجھا گیا۔ سو کہتا ہوں کہ میں جناب مولوی رشید کو رشید سمجھتا تھا مگر میرے گمان کے خلاف ”کچھ اور ہی“ نکلے۔ جس طرف آئے اس طرف ایسا تعصب برتا کہ اس میں ان کی تقریر اور تحریر دیکھنے سے روٹکا کھڑا ہوتا ہے۔“ ۳۵

وہی مولانا کیرانوی جو اپنے علمی فرزندوں سے فرماتے تھے کہ آپس میں اختلاف نہ کرو اور علمائے دیوبند کو اپنے بڑے بھائی سمجھو..... جب ان کے سامنے علمائے دیوبند کی تحریریں اور تقریریں متعدد ذرائع سے پہنچیں اور واضح ہوا کہ علمائے دیوبند نے تو اب اہل

کئی دیگر دیوبندی علماء نے ان سے علمی استفادہ کیا تھا۔ موصوف کے بارے میں مولوی خلیل احمد صاحب ابٹھوی نے اپنی خلاف دین و دیانت تصنیف ”براہین قاطعہ“ میں لکھا ہے:-
”خود شیخ العلماء نے جو معاملہ ہمارے شیخ الہند مولوی رحمت اللہ کے ساتھ

کیا وہ کسی پر مخفی نہیں۔“ ۳۳

اس عبارت میں ابٹھوی صاحب نے رحمۃ اللہ کیرانوی کو ہمارے شیخ الہند کہا ہے۔ مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵۷ء کے بعد مکہ مکرمہ کو ہجرت کر گئے تھے کیونکہ اس جنگ آزادی میں حصہ لینے کی پاداش میں ان کی ساری املاک ضبط ہو گئی تھی۔ وہاں انہوں نے مدرسہ صولتیہ کی بنیاد رکھی۔ حکومت وقت کی جانب سے پایہ حریمین کا لقب اور قاضی القضاۃ کا عہدہ ملا۔

ابٹھوی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

”اس آخر وقت میں اب مولوی رحمت اللہ صاحب تمام علمائے مکہ پر فائق

اور بہ اقرار علمائے مکہ اعلم ہیں۔“ ۳۴

ابٹھوی صاحب نے مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ۱۳۰۴ھ میں مذکورہ لفظوں کے ساتھ یاد کیا اور کیوں نہ ہو جبکہ موصوف سے کتنے ہی دیوبندی علماء نے علمی استفادہ کیا تھا۔ دریں حالات مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دیوبندی بریلوی خانہ ساز اختلاف میں ملوث نہیں کیا جاسکتا بلکہ ان کی رائے اور فیصلے کو بے لاگ ماننا ہو گا کیونکہ وہ حق و صداقت پر ہی مبنی ہو گا۔ ان کا تعلق صرف حقانیت و صداقت سے تھا کسی فریق کی حمایت یا مخالفت سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ چنانچہ مولانا کیرانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے گنگوہی اور

ہوں کہ حضرت مولوی رشید اور ان کے چیلے چائنوں کے ایسے ارشادات نہ سنیں اور میں جانتا ہوں کہ مجھ پر بہت کچھ کھلم کھلا تھا۔ ہوگا لیکن جب جمہور علمائے صالحین اور اولیائے کاملین اور رسول رب العالمین اور جناب باری جہاں آفرین ان کی زبان اور قلم سے نہ چھوٹے تو مجھے کیا شکایت ہوگی؟

۳۶

بھلانے پہ بھی قصہ عہد ماضی

بھلایا نہ جائے گا ہم سے نہ تم سے

احقر نے چرخِ کام کی سبوتا کے لئے یہ چودہ نکات پیش کر دیئے ہیں جن کے باعث صفت کے چہرے پر ڈالے ہوئے تھے ہی تہ بردے ہٹ گئے اور ہر شخص مران کو تہمت دے گا کہ وہ روپ میں چودھویں رات لے جانے کی حراں ہے جب خبر آنے لگی کہ اگر احقر کی یہ چند معروضات ہی مانتے رکھی جائیں تو

☆ مولوی غلیل احمد صاحب انجمنی کی ”المہند“

☆ مولوی حسین احمد صاحب ٹانڈوی کی ”الشہاب الثاقب“

☆ تمام علمائے دیوبند کی مشترکہ کاوشوں سے گھڑی ہوئی ”سیف النبی“ اور ”غایۃ المامول“

☆ دارالعلوم دیوبند کے ناظم تعلیمات مولوی مرتضیٰ حسن درہنگی (المتوفی ۱۳۷۱ھ / ۱۹۵۱ء)

☆ کی ”توضیح البیان“ وغیرہ

☆ دیوبندی حضرات کے مناظر اعظم مولوی محمد منظور نعمانی، ایں جہانی کا ”فیصلہ کن

مناظرہ“ اور ”فتح بریلی کا دلکش نظارہ“

☆ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی ”بسط البیان“

☆ مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد (المتوفی ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۸ء) کے گالیوں سے

۳۶ نقدیں الوکیل، مطبوعہ لاہور، ص ۴۱۹

اسلام کے خلاف محاذ بنا کر علمائے اسلام سے جنگ شروع کر رکھی ہے تو دیوبندی بیڑے کے ناخدا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے بارے میں ان کی تحریروں کے پیش نظر ”نقدیں الوکیل“ پر تقریظ لکھتے ہوئے اظہار حق کے شرعی فریضہ سے یوں سبکدوش ہوتے ہیں:

”پھر حضرت رشید نے جو نواسے (امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی

طرف توجہ کی تھی اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور خود ذات نبوی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وعلیٰ اخوانہ وآلہ واصحابہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ پہلے مولود کو کتہیا کا

جنم اشی ٹھہرایا اور ان کے بیان کو حرام بتلایا اور کھڑے ہونے کو کوئی

کیسے ہی ذوق و شوق میں ہو بہت بڑا منکر (برا کام) فرمایا اس

ٹھہرانے بتلانے، فرمانے سے لکھو کھیا علمائے صالحین اور مشائخ مقبول

رب العالمین (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) ان کے نزدیک بڑے نفرتی

ٹھہر گئے۔۔۔۔۔ پھر ذات نبوی میں اس پر بھی اکتفا نہ کر کے اور امکان

ذاتی کا اعتبار چھ خاتم النبیین بالفعل ثابت کر بیٹھے اور امکان ذاتی کے

باعبار تو کچھ حد ہی نہ رہی اور ان کا مرتبہ کچھ بڑے بھائی سے بڑا نہ

رہا۔ اور بڑی کوشش اس میں کی کہ حضرت (نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم) کا علم شیطان لعین کے علم سے کہیں کمتر ہے اور اس عقیدے کے

خلاف کو شرک ٹھہرایا۔۔۔۔۔

پھر ذات اقدس نبوی ہی پر کتفا نہ کیا، ذات اقدس الہی کی طرف بھی

متوجہ ہوئے اور جناب باری تعالیٰ کے حق میں دعویٰ کی کہ اللہ

کا جھوٹ بولنا ممتنع بالذات نہیں بلکہ امکان جھوٹ بولنے کو اللہ تعالیٰ کی

بڑی صفت کمال کی فرمائی۔۔۔۔۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

میں تو ان امور مذکورہ بالا کو بہت برا سمجھتا ہوں اور اپنے مخمین کو منع کرتا

لبریز مضامین — اور

☆..... مولوی محمد سرفراز صاحب لکھنؤ کی ”عبارات اکابر“ و ”باب جنت“

وغیرہ تصانیف سے ان مصنفین کی اسلام دشمنی، انصاف کشی، ضد، ہٹ دھرمی اور دھاندلی صاف نظر آنے لگے گی۔ اللہ جل شانہ، اہل زمانہ کو سچی ہدایت نصیب فرمائے آمین۔

اکابر دیوبند نے اللہ اور رسول (جل جلالہ) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان پر حملہ کیا۔ ان مقدس بارگاہوں کے متعلق نازیبا اور گندے الفاظ لکھے ... اور گندے عقیدے شائع کیے۔ تو یہ امر دیوبندی حضرات کے نزدیک نہ تو قابل اعتراض ہے اور نہ اس کے خلاف وہ کسی کو ایک لفظ بھی کہنے کی اجازت دے سکتے ہیں بلکہ ان مغالطات کو اسلام کی روح ماننے اور ”تقویہ الایمان“ ”سراج الایمان“ ”مصباح الایمان“ نیز ”حفظ الایمان“ منوانے پر مصر رہتے ہیں۔

اگر کوئی صاحب علم مسلمان عظمتِ خدا جل شانہ اور ناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرنا ضروری سمجھے اور ان کی کوئی بھی خلاف دین و دیانت بات زبان یا قلم پر لے آئے تو یہ حضرات کسی مرحلے پر بھی اس سے درگزر کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک اب یہ ضروری نہیں رہا کہ کوئی خدا کا بندہ یا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا امتی بن کر رہے ان کی طرف داری کرے بلکہ دارالعلوم دیوبند کے تیار کردہ اسلام کا اولین رکن یہ ہے کہ ایک مسلمان کو علمائے دیوبند کا ہمنوا ہونا چاہیے اور اس کے بعد خواہ وہ اللہ اور رسول کو علمائے دیوبند کی طرح گالیاں بھی دیتا پھرے تب بھی اس کے ان جیسے مسلمان ہونے میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ بس ایسے لوگ انہی کی طرح کے مسلمان شمار ہوں گے اور جو اس زمرے سے باہر رہے وہ مشرک قرار پائیں گے بدعتی کہلائیں گے اور کسی مرحلے پر بھی انہیں مسلمانوں میں شمار نہیں کیا جائے گا۔

جب علمائے دیوبند پورے خلوص اور کمال تقدس کے ساتھ کفر بیزی کفر خیزی ... اور کفر ریزی کر رہے تھے تو علمائے اسلام سے یہ جرم سرزد ہو گیا کہ انہوں نے ان

حضرات کے بالمقابل اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان کا دفاع کرنا شروع کر دیا۔ ان دنوں علمائے اہل حق سے جس نے اس جرم کا سب سے بڑھ کر ارتکاب کیا وہ ہے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات ... موصوف کو پروردگار عالم جل شانہ نے چودھویں صدی میں سرمایہ ملت کی نگہبانی پر مقرر فرمایا تھا اور اس صدی کا مجدد بنایا تھا اس لیے وہ بھی اپنی جگہ پر ”اس جرم“ کا ارتکاب کرنے پر مجبور اور مامور تھے۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ ایسا فعل ہے جس کے باعث علمائے دیوبند نے انہیں آج تک معاف نہیں کیا اور انہیں سب و شتم کا نشانہ بنا کر دیوبندی خواہ وہ عالم ہو یا جاہل وزیر ہو یا در بدر پھرنے والا فقیر بہر حال اساطین دیوبند کی بارگاہوں میں سرخرو ہونے کی کوشش ضرور کرتا ہے خواہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت میں شمار کرے یا نہ کرے ایمان کی دولت اہل حق کے پاس رہے یا نہ رہے لیکن اکابر دیوبند کی محبت اور عقیدت اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نفرت و عداوت کا دل میں ہونا ضروری ہے۔ اسی ضرورت کے تحت ان حضرات کے لئے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مطعون کرنا بہتان باندھنا اور ان پر الزامات عائد کرنا ایسا ہی ضروری ہو گیا ہے جیسا کہ روافض نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر تبرا کرنا اپنے دین کا رکن اعظم بنایا ہوا ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ اکابر دیوبند کفر یہ عبارتیں نہ لکھتے کفریات سے باز آجاتے اور ان کی نشر و اشاعت نہ کرتے اور جب وہ ایسا کر لیتے ہیں تو فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا ہی نہ کرنا پڑتا یعنی،

نہ وہ کفر کرتے، نہ تکفیر ہوتی

رضا کی خطا اس میں سرکار کیا ہے

میں نے غلط سمجھا تھا اور میں اب اپنے سابق غلط فتویٰ سے رجوع کرتا ہوں لیکن خان صاحب (فاضل بریلوی) نے مرتے دم تک اپنی ضد نہیں چھوڑی اور اکابر علماء دیوبند کی ناروا تکفیر سے باز نہیں آئے۔ ان کی چند عبارات ملاحظہ کریں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”نہ اعلیٰ احمد قادیانی اور رشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبھوی اور اشرفی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں بھی شبہ نہیں۔“

(”حسام الحرمین“ ص ۱۳۱، ”فتاویٰ افریقہ“ ص ۱۰۹) ۳۷

اگر گمکھرووی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ وہ دھاندلی اور سینہ زوری سے اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کر لیں گے تو یہ ان کی بھول ہے کیونکہ جس طرح رات کبھی دن نہیں ہو سکتی اسی طرح کفر کبھی اسلام ثابت نہیں ہو سکتا۔

اگر علمائے دیوبند کو اپنی بے رو ریا اور غیر متعصب برٹش سرکار ابد قرار اور ... سراسر بت پرست گاندھوی سرکار سے وظیفوں اور نذرانوں کے بدلے اسلام دشمنی اور حق و صداقت کا منہ چڑانے کی ڈیوٹی ملی ہوئی ہے تو بفضلہ تعالیٰ اہل حق کو حق و صداقت کا علم بلند رکھنے نیز عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کا دفاع ان حضرات کی ذمہ داری ہے جسے وہ قیامت تک ادا کرتے رہیں گے اور وہ اپنا فریضہ ادا کرنے سے کبھی نہیں رک سکتے خواہ ان کے راستے میں میدان کربلا آئے یا قلعہ گوالیار لہذا۔

ہاں چاہتے ہیں کہنا کچھ اپنی لے میں ہم بھی
نغمہ نو روز رکھ دے اب سازِ لن ترانی

☆.....☆.....☆.....☆

۳۷ ”عبارات اکابر“ مطبوعہ لاہور مارچ ۱۳۹۲ھ ص ۱۸ تا ۲۰

گمکھرووی صاحب کی مزاج پرسی

جید اساطین دیوبند کی طرح ہر دیوبندی عالم کی دین و دیانت اور انصاف و صداقت سے ہمیشہ دشمنی رہی ہے۔ اسی دیوبندی کے نشے سے چکنا چور ہو کر آج کل مولوی ابو الزہد محمد سرفراز خاں صاحب صفدر گمکھرووی کچھ زیادہ ہی اچھل کود رہے ہیں۔ معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ موصوف دوسروں سے کچھ زیادہ ہی پی بیٹھے ہیں۔ ان کی علمائے اہلسنت اور خصوصاً اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر الزامات و بہتانات کی دھواں دھار مباری کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موصوف تو اپنے اسلاف کے بھی کان کترتے جا رہے ہیں۔ گمکھرووی صاحب اگر اپنی تصانیف میں اہلسنت و جماعت پر ناجائز حملے نہ کرتے تو ہمیں کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہیں خواہ مخواہ مخاطب کرتے لیکن موصوف کی ڈینگیں اور لن ترانیاں نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں مثلاً انہوں نے اپنی مخصوص ترنگ میں کس ٹھاٹ باٹ سے لکھا ہے۔

”مولوی احمد رضا خاں (محدث بریلوی) کا مزاج نہایت جذباتی اور طبیعت بے حد غلو پسند اور متعصبانہ تھی۔ ان کی عبارات میں اس امر کا واضح ثبوت موجود ہے۔۔۔ اپنے مخالفین اور خصوصاً علماء دیوبند کی تکفیر میں جو طریق انہوں نے اختیار کیا ہے، عالم تو درکنار دنیا کا کوئی شریف انسان بھی اس کو اختیار نہیں کر سکتا کہ ان کی مراد اور نیت کے خلاف ان کی عبارات کا مطلب از خود تراشے اور بزور کشید کر کے ان پر کفر کا فتویٰ لگائے اور پھر ان کی تکفیر نہ کرنے والوں بلکہ شک کرنے والوں کو بھی کافر قرار دے حالانکہ اکابر علماء دیوبند جلا جلا کر کہتے رہے ہیں کہ جو مطلب تم نے بیان کیا ہے یا تم مراد لے رہے ہو ہماری ہرگز وہ مراد نہیں اور نہ ہم اس معنی کو صحیح سمجھتے ہیں بلکہ ہم بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں۔ انصاف اور دیانت کا تقاضا تو یہی تھا کہ خان صاحب (محدث بریلوی) اس کے بعد ان کی تکفیر سے باز آجاتے اور علمائے دیوبند سے معافی مانگ لیتے کہ

عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفوی کے دفاع میں اہل اسلام کی خیر خواہی کے لئے کیا۔

فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ اتنا بڑا ”جرم“ ہے کہ دیوبندی حضرات کسی مرحلے پر اسے معاف کرنے کے روادار نہیں ہو سکتے بلکہ اس کے باعث ”عبارات اکابر“ کے مصنف کو تو چودھویں صدی کا مجدد اور سرمایہ ملت کا نگہبان، ایک شریف انسان ہی نظر نہیں آتا۔ اکابر دیوبند نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دیں تو انہیں توبہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ جس نے یہ ثابت کیا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دے کر اپنے دین و ایمان کا بیڑہ غرق کر لیا ہے اسے چاہیے تھا کہ علمائے دیوبند سے معافی مانگ کر نعوذ باللہ یہ عہد کر لیتا کہ

”آئندہ آپ اللہ (جل شانہ) و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جتنی

چاہیں نعوذ باللہ گالیاں دیں لیکن میں نہیں بولوں گا۔

جتنے مسلمانوں کو چاہیں معاذ اللہ کفر کے سمندر میں ڈبو دیجئے لیکن میں

آپ حضرات کے تقدس میں چھپے ہوئے کفریات کے پردے نہیں کھولوں

گا۔“

اکابر دیوبند نے اللہ و رسول (جل شانہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کو مغلظات

سنائیں لیکن دیوبندی حضرات کے نزدیک وہ شریف انسان ہی نہیں بلکہ شرافت

کے پیکر اور اسلام کے ایسے علمبردار تھے کہ اسلام قائم ہی ان حضرات کے دم قدم سے

تھا۔ افسوس! جن حضرات نے انصاف و دیانت کا یوں سربازار خون کر دیا ہو وہ چاہیں تو

اللہ اور رسول (جل شانہ و صلی اللہ علیہ وسلم) کی شان پر حملہ کرنے والوں کے سر پر بزرگی

کا تاج رکھیں۔ اور چاہیں تو عظمتِ خداوندی و شانِ مصطفوی کا دفاع کرنے والوں کو

مظلوموں کے کھڑے میں کھڑا کر دیں کیونکہ جو اپنے اَرْسَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰہ کا ہو رہا اس نے

ہر بات کو اسی زاویہ نظر سے دیکھنا ہے جبکہ ایک مسلمان کا زاویہ نظر اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چل مرے خامہ بسم اللہ

اولاً

مجدد مائتہ حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی علمائے ہند کے علاوہ علمائے حرمین طہیین نے تائید و تصدیق کی نیز ان حضرات کے پاکیزہ تاثرات اور اعزاز و اکرام کے الفاظ ”فتاویٰ الحرمین“ ”حسام الحرمین“ ”الدولۃ المکیۃ“ ”الاجازات المسمیۃ“ اور ”کفل الفقہیہ“ وغیرہ کتب و رسائل میں موجود ہیں جن کی ایمان افروز، خارجیت سوز جھٹکار سے سارا عالم اسلام گونج رہا ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی بناوٹ ہوتی تو علمائے حرمین کو یہ مطبوعہ کتابیں دکھا کر ان حضرات سے تردید کروائی جاسکتی تھی۔ جب مخالفین کسی تصدیق کرنے والے کی یا مدنی عالم سے ایسا ایک بیان بھی حاصل نہیں کر سکے تو مبتدعینِ زمانہ کا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف شور مچانا کسی منصف مزاج کے نزدیک کوئے کی بے مقصد کائیں کائیں سے کتنا مختلف ہو سکتا ہے۔

ثانیاً

اکابر دیوبند نے خود کفر یہ عبارتیں لکھیں.... خود انہیں ساہا سال تک شائع کرتے

رہے.... علمائے اہلسنت کی جانب سے متواتر مواخذہ ہوتا رہا.... رد و تردید میں ملک کے

گوشتے گوشتے سے کتب و رسائل شائع ہوئے.... اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ بھی تحریری طور پر ان حضرات کو سمجھاتے اور کفریات کو برابر واضح کرتے رہے.... جب

دیکھا کہ وہ اپنے کفریات پر مصر ہیں اور اس کے باوجود کہ وہ اپنی کسی عبارت میں کوئی اسلامی

پہلو نہیں دکھا سکے، پھر بھی ان متنازعہ عبارتوں کو بدل کر اسلامی بنانے اور ان سے رجوع کرنے

پر آمادہ نہیں ہیں تو مسلمانوں کو ان کے کفریات میں ملوث ہو کر ایمان کی دولت برباد

کرنے سے بچانے کی خاطر اکابر دیوبند کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کرنا پڑا۔ یہ سب کچھ

کوئی چلا چلا کر بتائے یاد یواروں سے نکریں مار کر کہے پھر بھی نامراد ہی رہے گا کیونکہ مفہوم کا عبارت کے اندر ہونا ضروری ہے۔

اگر ان اکابر دیوبند کا مقصد حیات کا فرگری ہو کر نہیں رہ گیا تھا تو وہ عبارتیں آسانی وحی نہیں تھیں کہ ان میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی تھی بلکہ چند مولویوں کی عبارتیں تھیں اور فریق ثانی کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ ”ان کا مفہوم کفریہ ہے لہذا انہیں بدل کر اسلامی بنا لیجئے“۔ اگر نیت میں کھوٹ نہ ہوتا اور کسی کے ہاتھوں میں چوں قلم در دست کاتب نہ ہو گئے ہوتے تو چند لفظوں کی تبدیلی میں رکاوٹ کیا تھی؟... ان عبارتوں کو خود یا مل جل کر تبدیل کر لیتے تو سارا قصہ ہی ختم ہو جاتا اور ان مہربانوں کی بھڑکائی ہوئی فتنہ فساد کی آگ اسی وقت بجھ جاتی جس نے مسلمان کہلانے والوں کے خرمن اتحاد میں آگ لگائی ہوئی ہے اور مدعیان اسلام آج تک اہل سنت و جماعت کہلانے کے باوجود آپس میں دست و گریبان چلے آتے ہیں۔

اگر اکابر دیوبند ایسا کر لیتے اور اس کے باوجود مواخذہ کرنے والے باز نہ آتے تو ہر عاقل یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا کہ معترضین کی نیت میں کھوٹ ہے اور وہ مخالف برائے مخالفت کر رہے ہیں... دنیا نے دیکھا کہ اکابر دیوبند مرتے وقت تک اپنی کفریہ عبارتوں کو اسلامی بنا لینے پر آمادہ نہیں ہوئے اور عمر بھر اختلاف کی آگ کو بھڑکاتے اور مسلمانوں کے خرمن اتحاد میں آگ ہی لگاتے رہے... دریں حالات کون یہ سمجھنے پر مجبور نہیں ہوگا کہ وہ حضرات ظاہری تقدس کے لبادے میں چھپ کر تخریب دین و افتراق بین المسلمین کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے۔

رابعاً:

”عبارات اکابر“ کے مصنف نے جو لکھا ہے کہ:

فلاں صورت حال کے بعد خان صاحب بریلوی کو چاہیے تھا کہ علمائے دیوبند سے معافی مانگ لیتے اور اپنے فتوے سے رجوع کر لیتے۔

فی اللہ ہوتا ہے.... یہ دونوں نظریے متضاد ہیں اور اجتماع ضدین محال ہوتا ہے۔ دریں حالات

بنے کیونکر کہ ہے سب کار الٹا
ہم الٹے بات الٹی یار الٹا

جو حضرات دیوبندیت و بریلویت کے خول سے باہر نکل کر اور اس و اس کی نفرت و محبت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اللہ جل شانہ کے بندے اور نبی آخر الزمان سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے امتی بن کر ان کفریہ عبارتوں کو بغور دیکھیں تو ہر منصف مزاج کو آفتاب نمرود کی طرح یہی نظر آئے گا ع
وقا کے بھیس میں ”بیٹھے تھے پانچوں“ بے وقار ہو کر
چلا:

مصنف صاحب کا یہ کہنا ہے۔

”اکابر دیوبند چلا چلا کر کہتے اور نکھتے رہے ہیں کہ جو مطلب تم نے بیان

کیا ہے یا جو تم مراد لے رہے ہو ہماری ہرگز وہ مراد نہیں۔“

”گھمرووی صاحب! ذرا ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے کہیے تو سہی کہ وہ کفریہ عبارتیں اردو زبان کی ہیں، کوئی لاطینی یا عبرانی زبان کی نہیں ہیں کہ ان کے سمجھنے والے ہی نایاب ہوں ہر پڑھا انسان ان عبارتوں کا مفہوم آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

علاوہ بریں وہ کوئی پہیلیاں یا بھارتیں نہیں ہیں کہ گتھیاں سلجھانی پڑیں گی بلکہ سیدھی سادی عبارتیں ہیں اور ان عبارتوں کے وہی مفہوم و مطالب لیے جاسکیں گے جو ہر عاقل و منصف کے نزدیک ان عبارتوں سے نکل رہے ہیں۔

اگر کوئی حنظل کہے اور بتائے کہ ”میری مراد مالٹا ہے“ یا ”کوٹا کھائے اور کبوتر بتائے تو ایسی شعبہ بازی کسی عاقل کے نزدیک کب قابل قبول ہے؟... ایسی مراد

کلک رضا ہے خنجر خونخوار برق بار
اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

خامساً

گلمزدوی صاحب! ذرا ”عبارت اکابر“ کی مذکورہ پیش کردہ عبارت پھر ملاحظہ فرمائیے۔ اس عبارت کا خط کشیدہ حصہ موصوف نے ”حسام الحرمین“ صفحہ ۱۳۱ اور ”فتاویٰ افریقہ“ صفحہ ۱۰۹ سے نقل کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عبارت ہے۔

جناب عالی!

ذرا ”حسام الحرمین“ اور ”فتاویٰ افریقہ“ میں اس عبارت کو ایک مرتبہ اور دیکھ لیجئے۔ اگر یہ عبارت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بجائے علمائے مکہ مکرمہ سے محافظ کتب حرم اور اسلام کے بطل جلیل علامہ سید اسماعیل بن سید خلیل کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء) کی تقریظ کے ان لفظوں کا ترجمہ ہو جن کے ذریعے موصوف نے اکابر دیوبند کے بارے میں حکم شرع بیان فرمایا تھا تو اپنے قبیلے کے اونچی چوٹی کے مصنف صاحب کو اس علمی خیانت کی دل کھول کر داد تو دے دینا جو اہل حق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جھوٹ بول رہے ہیں! مطلقاً اس کثوت پر نہیں شرماتے اور نہ ارشاد خداوندی ”لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَذِبِينَ“ کو ذرا بھی خطرے میں لاتے ہیں۔

گلمزدوی صاحب! کیا ایسا دروغ گو اور گندم نما جو فروش از روئے شرع مردود الشہادۃ اور ناقابل اعتبار نہیں ہوتا؟ کیا حق و باطل کا فیصلہ کرنا ایسے ہی فنکاروں اور شعبہ بازوں کا کام ہے؟

سادساً

علامہ سید اسماعیل بن سید خلیل کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اظہار حق سے معلوم نہیں

گلمزدوی صاحب! اپنے اونچی چوٹی کے مصنف کو بتا دیجئے کہ حضور والا! اگر آج بھی آپ اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں کو اسلامی ثابت کر دیں تو اختر شاہ جہان پوری وعدہ کرتا ہے کہ وہ اخبارات و رسائل میں یہ اعلان شائع کروادے گا کہ علمائے دیوبند کی تکفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے غلطی واقع ہو گئی تھی.... اس کے برعکس مصنف صاحب اپنے اونچی چوٹی اور گاندھوی لنگوٹی کے سارے دیوبندی علماء کے تعاون سے بھی ان عبارتوں کو اسلامی ثابت نہ کر سکیں تو اپنے نانوتوی، گنگوہی، اعظمی اور تھانوی ”أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ“ کو مرتد مان کر مسلمان ہونا پڑے گا اور اخبارات و رسائل میں یہ اعلان شائع کروانا پڑے گا کہ:

”اپنے ان فلاں فلاں مولویوں کو ہم آج تک بزرگ مانتے رہے لیکن ہم

پر واضح ہو گیا ہے کہ وہ چاروں تو اسلام و مسلمین کے پراسرار دشمن ہو کر

اسلام کے دائرے سے برضا و رغبت نکل گئے تھے۔“

گلمزدوی صاحب! اگر آپ کے بلند بانگ مصنف صاحب ایسی تحریر دینے کے لیے تیار ہوں تو جلد از جلد بسم اللہ کریں اور ٹھنڈے دل و دماغ سے افہام و تفہیم کی خاطر اس عاجز کے ساتھ تحریری گفتگو کا سلسلہ شروع کر دیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ دنیا دیکھ لے گی کہ آپ کے مصنف صاحب اور ان کی ساری دیوبندی برادری کے جملہ بلند بانگ دعاوی کے سارے جو ہر کھل جائیں گے حق و باطل ایسا کرنے سے میزان تحقیق و انصاف پر تل جائیں گے اور علمی دھاندلی کرنے والوں کو معلوم ہو جائے گا۔

فلک کو ابھی دل جلوں سے پڑا کام نہیں

جلا کے خاک نہ کر دوں تو داغ نام نہیں

گلمزدوی صاحب! شاید آپ کے مصنف صاحب نے یہ باطل سوز شعر آج تک

سنانہیں ہے۔۔

سومات نجد کے ہر دیو کا بند بند کیوں کانپ اٹھتا ہے؟ — کیوں ان کی عبارتوں کو دوسروں کے سر منڈھنے کا فراڈ کیا جاتا ہے؟ حالانکہ علامہ موصوف تو حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علمی فرزند تھے جن کے ساتھ علمائے دیوبند اپنا روحانی رشتہ بڑے فخر سے ثابت کرنے میں کوشاں رہتے ہیں... کہیں وہ رشتہ ناطہ محض ہاتھی کے دکھانے والے دانت تو نہیں ورنہ خوف خدا اور شرم نبی کے باعث نہ سہی لیکن قبلہ حاجی صاحب کی علمی بارگاہ کا تحفہ سمجھ کر ہی علامہ موصوف کے فیصلے کو تسلیم کر لیتے... خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرات علمائے دیوبند کے سامنے وہ کوئی مصلحت تھی جو ان کو حق کے قبول کرنے سے باز رکھے ہوئے تھی۔ جس کے باعث ان مہربانوں میں یہی مردانگی اور دینداری رہ گئی تھی کہ جیتے جی حق کو باطل اور باطل کو حق بتاتے رہے دریں حالات:-

کہنے کو ان سے کہہ رہا ہوں حال دل مگر
ڈر ہے کہ شان ناز پہ شکوہ گراں نہ ہو

سابقاً

مصنف صاحب یہ بھی تاثر دے رہے ہیں کہ:-

”اللہ اور رسول (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گالیاں دینے والے ان چاروں علمائے دیوبند کو معرف چند بریلوی علما ہی کا فر سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اکثر علمائے اہلسنت نے ان کی تکفیر نہیں کی اور توقف کرنے والے تو بیشمار تھے۔“

گلمردوی صاحب! ذرا ”عبارات اکابر“ کے مصنف کی عقل کے ناخن تو لیجئے۔ علمائے پاک و ہند کی تصدیقات پر مشتمل ”الصوارم الہندیہ“ نامی کتاب آپ نے یقیناً پڑھی ہوگی کیا وہ دو سو اڑسٹھ علمائے کرام بھی چند ہیں؟ حالانکہ ہم اس تعداد کو بفضلہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا سکتے ہیں لیکن ہماری فہرست کے علماء تو سینکڑوں کی تعداد میں بھی چند ہی شمار ہوں گے

لہذا ہم مصنف صاحب کی فہرست ہی دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں بھی معلوم ہو جائے کہ واقعی ہی تکفیر نہ کرنے والے علماء بیش تر اور توقف کرنے والے تو بیشمار نکل آئے۔ دیکھتے ہیں کہ مصنف کی طرف سے ان بیشتر اور بے شمار علماء کی فہرستیں کب تک منظر عام پر آتی ہیں۔

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انہیں ٹھیس نہ لگ جائے آبکیوں کو

مصنف صاحب نے اپنی دوسری تصنیف میں مفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء) کو لاکارتے ہوئے خوب جو انوردی دکھائی اور بیش خویش اپنے اکابر کا سارا قرض چکا دیا... جو فرما دیا اسے حرف آخر سمجھ لیا... جتنے مغالطے دیئے انہیں ”باب جنت“ سمجھا... جتنا آسمان کی طرف تھوکا اسے دوسروں کے منہ میں گرتا ہوا سمجھا... جتنی چاند کی طرف دھول اڑائی، اسے تحقیق کا جوہر قرار دے کر سمجھ بیٹھے کہ آسمان میں تھکلی لگا دی ہے۔ اب ان کی ڈیڑھ گرہ کوئی کھول نہیں سکے گا۔

ان کی ایسی عبارت کے تیور تو ملاحظہ ہوں۔

”مفتی صاحب نے دیوبندی مقلوموں پر کفر و ارتداد کا ظالمانہ نشر چلاتے ہوئے بے دھڑک علمائے عرب و عجم کا نام استعمال کیا ہے۔ یہ بھی مفتی صاحب کی انتہائی خیانت ہے۔ بات اصل میں یہ تھی کہ انگریز کے زمانے میں ایک خاص مصلحت کے پیش نظر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اکابر علمائے دیوبند کی عبارات کو قطع و برید کر کے علمائے حجاز سے ان کے خلاف فتویٰ لیا اور ”حسام الحرمین“ کے نام سے وہ شائع کیا تھا لیکن جب اکابر علمائے دیوبند کو اس مکاری کا علم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (انشووی) نے اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد لکھ کر علمائے حرمین اور

شام و فلسطین وغیرہ کو بھیجے۔ انہوں نے وہ پڑھ کر خان صاحب بریلوی پر صد نفوس کی.... اور اکابر علمائے دیوبند کو پکا مسلمان اور سنی مسلمان کہا اور ان اکابر کے عقائد اور علمائے حرمین وغیرہ کے فتویٰ کتاب ”الہمد علی المفسد“ میں مذکور ہیں جو ۱۸ شوال ۱۳۲۵ھ سے مسلسل کئی بار طبع ہوئی اور اب صرف اردو میں ”عقائد علمائے دیوبند“ کے نام سے متعدد مقامات سے وہ کتابچہ شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعد حرمین اور عرب وغیرہ ممالک کے کسی معتبر عالم نے دیوبندیوں کی ہرگز تکفیر نہیں کی۔ اگر مفتی صاحب میں دم خم ہے تو اس کے بعد کے علمائے حرمین اور عرب کی ”الہمد علی المفسد“ کی طباعت کے بعد کی تکفیر بتاتے اور اب بھی ہمت ہے تو بتا دیں۔“ ۱۔

گکھڑوی صاحب! آپ نے مصنف ”باب جنت“ کے بلند باجگ دعاوی ملاحظہ فرمائے.... ان کی ڈینگیاں اور لن ترانیاں سن لیں.... بس جو کچھ انہوں نے فرما دیا گویا وہ ثابت ہو گیا کیونکہ ان کے ارشادات کو کسی ثبوت کی ضرورت بھی کیا ہے اور آخر لوح محفوظ سے وہ کونسے دور رسچے ہیں کہ کسی خارجی ثبوت کی ضرورت پیش آئے۔ بہر حال محض احقائق حق اور ابطال باطل کی خاطر یہ فقیر اپنے رب قدیر اور اس کی حبیب بشیر و نذیر (جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تائید و اعانت کے بھروسے پر میدان تحقیق میں قدم رکھتا اور یہ کہتا ہوا اپنے رہوار قلم کو اذن خرام دیتا ہے۔

غزل اس نے چھیڑی مجھے ساز دینا

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

گکھڑوی صاحب! آپ ذرا ”باب جنت“ کے مصنف کو بتا دیں کہ:

اے ساتھی! ابرہہ کے ہاتھی! وہ دیکھ خدائی فوج ظفر مونج کا ایک

ابابیل (اختر شاہجہان پوری) آج آیاتِ محکمہ سنت قائمہ اور فریضہ عادلہ کی تین کنکریاں لے کر عین آئینہ مقلی القاب کی نجدی چندیا پر منڈھلا رہا ہے۔ اب حضور والا بھی گھٹھبٹھا کٹول ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر نہ کہنا کہ مجھے تو خبر نہ ہوئی۔“

اولاً

مصنف صاحب غور تو فرمائیں کہ علمائے دیوبند نے خود ہی برضا و رغبت غیر اسلامی روش اختیار کی کہ مسلمان کہلانے اور صاحبانِ جبہ و دستار ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیں.... خود ہی ان گالیوں اور سراسر غیر اسلامی عقیدوں کو بڑے اہتمام سے شائع کرتے رہے۔۔۔ ان حالات میں علمائے اہلسنت کے سمجھانے بجھانے خوف خدا اور خطرہ روز جزاء یاد دلانے کے باوجود بھی ان کفریہ عبارتوں کو اسلامی بنانا گوارا نہ کیا.... اور نہ جیتے جی ان کفریہ عبارتوں سے توبہ کی... اس پر علمائے عرب و عجم نے تو ازراہ خیر خواہی صرف مسلمانوں کو خبردار کیا تھا کہ

”فلاں فلاں حضرات غیر اسلامی راستے پر گامزن ہو کر رہنما کی جگہ رہنمائی دین و ایمان ہو گئے ہیں لہذا ان کے پیچھے لگ کر اپنے ایمان کی متاع عزیز ضائع نہ کر بیٹھنا۔“

یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کی خیر خواہی میں فرض عاید ہوتا تھا جو ان حضرات کو ادا کرنا چاہیے تھا۔

”باب جنت“ کے مصنف کو شکایت ہے کہ مسلمانوں کو خبردار کرنے والے علماء حق نے اپنا شرعی فریضہ کیوں ادا کیا؟... ان کے ارباباً مِّنْ دُونِ اللہ کو سر بازار نہنگا کیوں کیا؟... ان کے چہروں پر ظاہری تقدس کی پڑی ہوئی نقاب ہٹا کر ان پانچوں حضرات کے مکروہ چہرے ساری دنیا کو کیوں دکھائے؟... گویا اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ

وآلہ واصحابہ وسلم کے خلاف صف آراء ہونا منظور کر لیا لیکن اپنے اُزبائاً مین دُونِ اللہ کی حمایت سے دست بردار ہونا کسی مرحلے پر بھی پسند نہیں ہے۔

اس قضیئے کو صرف علمائے دیوبند اور امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ٹکراؤ قرار دینا محض ایک مغالطہ ہے کیونکہ یہ اس المناک کتاب کا ایک باب تو ضرور ہے لیکن اس تصادم کی بنیاد تو یہی ہے کہ اکابر دیوبند نے عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفویٰ پر حملے کیے اور جب تک وہ دنیا میں زندہ رہے تو اپنی اس ظالمانہ اور غیر اسلامی روش سے ایک انج بھی نہیں ہٹے۔ اسی کے پیش نظر علمائے عرب و عجم نے ان حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا۔

اس حقیقت کو اگر مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نوکِ قلم پر لے آئے تو انہوں نے کوئی خیانت کا مظاہرہ کیا؟ مفتی صاحب یا کسی بھی سنی عالم کو علمائے دیوبند پر ظالمانہ نشر چلانے کی نہ اس سے پہلے کوئی ضرورت تھی اور نہ آج ہے بلکہ انسانی ہمدردی کے تحت رونا تو اس بات کا ہے کہ اکابر دیوبند کو اپنی جانوں پر اتنا ظلم نہیں کرنا چاہیے تھا کہ چند کھوٹے سکوں اور چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کے بدلے کفر و ارتداد کے کڑے پیالے برضا و رغبت پی گئے اور ڈکار تک نہ لی۔ کاش! وہ ایسا نہ کرتے کیونکہ اسی الیہ کے باعث اہلسنت کہلانے والے آپس میں دست و گریباں چلے آرہے ہیں اور ان حضرات کے پیچھے لگ کر ہزاروں لاکھوں مسلمان اپنے ایمان کی دولت کو برباد کر چکے ہیں

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

ثانیاً

مصنف صاحب اس عبارت کے ذریعے یہ تاثر بھی دینا چاہتے ہیں کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے گویا حکومت کے ایماء پر علمائے دیوبند کی تکفیر کی تھی حالانکہ یہ مصنف صاحب کا ایسا الزام ہے جس کی صحت پر وہ اپنی ساری زندگی میں ایک دلیل بھی قائم

علیہ وسلم کو گالیاں دینا اور انہیں پورے اہتمام سے شائع کرنا (نعوذ باللہ) ترقی درجات کا زینہ تھا۔ عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفویٰ پر (نعوذ باللہ) حملہ کرنے کا ان حضرات کو پیدائشی حق حاصل تھا اور ایسا کرنے سے ان کے نزدیک ان کے دین و ایمان کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑا بلکہ ان کی بزرگی کے آسمان میں گویا اور چار چاند لگ گئے۔

کاش! ”بابِ جنت“ کے مصنف نے اس تصادم کے دونوں فریقوں کا پہلے تعین کر لیا ہوتا تاکہ معاملے کو سمجھنے میں آسانی ہوتی آئیے ہم بتاتے ہیں کہ

اس تصادم کا فریق اول اکابر دیوبند ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان پر ناپاک حملے کیے۔

فریق ثانی اللہ و رسول (جل شانہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم) ہیں جن کی شان پر حملے ہوئے۔

کیا مصنف صاحب کلیجے پر ہاتھ رکھ کر بتانے کی جرات کریں گے کہ وہ فریقین میں سے کس کو ظالم سمجھتے ہیں؟ کاش! دیوبندی حضرات یہ فیصلہ دنیا میں ہی کر لیں تو سب سے زیادہ خود ان کا اپنا بھلا ہوگا کہ وہ مفت میں عاقبت برباد کرنے کے دبال سے بچ جائیں گے واللہ ولی التوفیق

اگلا مرحلہ فریقین کی حمایت اور طرف داری کرنے والوں کا ہے۔ اکثر علمائے کرام (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) نے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا حمایتی بن کر حملہ آوروں سے مقابلہ کرنا اپنا اسلامی اور ایمانی فریضہ شمار کیا اور اس عظیم فرض کے ادا کرنے میں وہ اپنی پوری صلاحیتیں بروئے کار لے آئے۔ جبکہ بعض صاحبان جبہ وہ بھی تھے اور ہیں کہ جنہوں نے عظمتِ خداوندی اور ناموسِ مصطفویٰ کو نظر انداز کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں یعنی اپنے حملہ آوروں کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ

”ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربانی (مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی) اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی) اور طیب روحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے اور بندوچوں (حریت پسندوں) سے مقابلہ ہو گیا۔ یہ نبرد آزما جتنا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے بھاگنے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لیے اٹل پہاڑ کی طرح پراجا کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جانثاری کے لئے تیار ہو گیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہو جائے، وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لیے جم غفیر بندوچوں کے سامنے ایسے جھے رہے گویا زمین نے پاؤں پکڑ لیے ہیں۔ چنانچہ آپ (گنگوہی صاحب) پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ زیر ناف گولی کھا کر شہید بھی ہوئے۔

لکھنؤوی صاحب ذرا ”باب جنت“ کے مصنف سے پوچھئے تو سہی کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کیا یہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے آباؤ اجداد یا اساتذہ و مشائخ حریت پسندوں سے مقابلہ کر رہے تھے یا مصنف کے وہ اپنے ہی اُنساباً مِّنْ دُونِ اللہ تھے.... ؟

یہ اپنی انگریز سرکار کے مخالف باغیوں سے لڑنے والا اور اپنی برٹش سرکار پر جاں قربان کرنے والا کردہ بھلا کن افراد پر مشتمل تھا؟.....

ذرا ملک و ملت کے ان پراسرار باغیوں، بدخواہوں اور جعفر بنگال و صادق دکن کے جانشینوں کے نام صفحہ دل پر لکھ تو لیجئے تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔

نہیں کر سکیں گے (۱).....

حقیقت یہ ہے کہ ان پانچوں حضرات کی تکفیر محض ان کی کفریہ عبارات اور غیر اسلامی عقائد و نظریات کے باعث ہوئی تھی۔ مصنف صاحب اس میں خواہ مخواہ سیاسی رنگ بھرنا چاہتے ہیں۔ اگر اس تکفیر میں حکومت وقت کا ذرا سا اشارہ بھی ہوتا تو برٹش گورنمنٹ کے خود کاشٹے پودا یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی ہرگز تکفیر نہ کی جاتی۔ اس تکفیر نے تو انگریزی حکومت کو اتنا نقصان پہنچایا کہ شاید ۱۸۵۷ء کے بعد کی پوری نوے سالہ تاریخ میں اسے اتنا نقصان سب مل کر نہ پہنچا سکے ہوں کہ اس کی پراسرار شطرنج کے مہرے مات ہو گئے.... اس کے وہ خود کاشٹے پودے جو تادور درخت ہو چکے تھے انہیں بریلی کے ایک مرد حق آگاہ نے جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا.... برٹش گورنمنٹ کے پراسرار جزل ایجنٹوں کو ساری دنیا کے سامنے نکا کر دکھایا....

ہو سکتا ہے کہ مصنف صاحب اس بات پر چپیں بجیں ہوں کہ اکابر دیوبند کو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح برٹش گورنمنٹ کے ایجنٹ کیوں کہہ دیا اور عین ممکن ہے کہ وہابی حضرات کے شبانہ روز غلط پروپیگنڈے کے باعث بعض قارئین بھی ہمارے اس بیان سے اتفاق نہ کریں.... ایسے جملہ حضرات کی خدمت میں ہم خود علمائے دیوبند کی تصانیف ہی سے چند عبارتیں پیش کر کے قارئین کرام سے انصاف کے طلب گار ہوں گے۔ دیوبندی حضرات کی مشترکہ کوششوں سے تیار کی ہوئی مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی سوانح حیات میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے متعلق ایک واقعہ یوں مرقوم ہے:

(۱) اس الزام کے بے سرو پا ہونے اور امام اہل سنت، مجددین دلت، محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (وصال ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کی مجاہدین جنگ آزادی سے محبت و عقیدت، نصرانیت کی شدید مذمت، پادریوں کی مخالفت، برطانوی حکام اور عسکین نصاریٰ سے نفرت اور انگریزی تعلیم و تہذیب کی مذمت متعلق جاننے کے لئے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا زوردار مقالہ: ”گناہ بے گناہی“ (ناشر رضا اکیڈمی لاہور) ملاحظہ فرمائیں

(رفیق)

کے دلی خیر خواہ تھے۔ تازیت خیر خواہ ہی ثابت رہے۔^۴
 گکھڑوی صاحب آپ نے مصنف ”بابِ جنت“ کے اُزبایا مین دُون اللہ کا
 حال ملاحظہ فرمالیا۔ گے ہاتھوں مصنف صاحب سے اتنا تو پوچھ لیجئے کہ حضور والا!
 ☆ انگریز جیسے اسلام کے ازلی دشمنوں کے بدخواہوں کو کون سے غداران ملک و
 ملت اپنی مہربان سرکار کہتے رہے.....

☆ وہ کون سے لصوص دین تھے جو برٹش گورنمنٹ کے دلی خیر خواہ کر رہے؟
 ☆ ان گندم نما جو فروش بد بختوں کے نام کیا ہیں جو مرتے دم تک انگریزی حکومت کی خیر
 خواہی میں ثابت قدم رہے تھے؟....

قلم چور مصنف صاحب کے منہ سے کچھ تو نکلوایئے کہ انگریز کا تازیت دلی خیر
 خواہ رہنے والا احمد رضا خاں بریلوی تھا یا گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی؟
 اگر مصنف صاحب کی ابھی تسلی نہ ہوئی ہو تو انہیں سرکار گنگوہیت مآب کا اپنے
 متعلق یہ ذاتی بیان بھی سنا دیجئے:-

”جب میں حقیقت میں سرکار کا فرماں بردار ہوں تو جھوٹے الزام سے
 میرا بال بھی بیکانہ ہوگا اور اگر مارا گیا تو سرکار مالک ہے۔ اسے اختیار
 ہے جو چاہے کرے۔“ ۵

گکھڑوی صاحب! دیوبندی فوج کے جرنیل صاحب نے واشکاف لفظوں میں
 اپنی پوزیشن واضح کر دی۔ صاف بتا دیا کہ

میں تو برٹش گورنمنٹ کا فرماں بردار اور دلی خیر خواہ (ایجنٹ) ہوں، ہم تو
 اپنی مہربان برٹش سرکار کے حضور بھی ہیں جیسے مردہ غسل کے

۴ ”تذکرۃ الرشید“ حصہ اول مطبوعہ کراچی ص ۷۹

۵ ”تذکرۃ الرشید“ حصہ اول مطبوعہ کراچی ص ۸۰

گکھڑوی صاحب! ذرا ”بابِ جنت“ کے مصنف سے اتنی اپیل تو کر دیجئے۔
 رہزنوں اور رہبروں کو غور سے پہچان کر
 مولوی جی مصنفی کرنا خدا کو مان کر
 گکھڑوی صاحب! ”بابِ جنت“ کے مصنف کو بتا دیجئے کہ اگر انہوں نے اس
 تکفیر کے خاکے میں رنگ بھرتا ہی تھا تو انصاف و دیانت سے کام لے کر یوں بھرتا چاہیے تھا:-

”انگریزوں نے اپنی سیاسی مصلحت کے تحت وظیفوں اور نذرانوں سے
 مالا مال کر کے قادیانی و مانوئی، گنگوہی و امٹھوی اور تھانوی صاحب سے
 کفریہ عبارتیں لکھوائیں... مقدس شجر اسلام میں غیر اسلامی عقائد و
 نظریات کی قلمیں لگوائیں... جن کے باعث ایک جانب ...
 مسلمان اپنے ایمان کی دولت سے محروم ہونے لگے اور دوسری
 جانب... آپس میں سر پھٹول ہونے کے باعث اجتماعی قوت کمزور ہو گئی
 اور یوں برٹش گورنمنٹ نے اپنے ان پراسرار ایجنٹوں کے ذریعے اپنا
 سیاسی مقصد پورا کیا۔

اگر مصنف صاحب ایسا لکھتے تو ان کا بیان حقیقت پر مبنی ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ
 موصوف کو انصاف و دیانت سے اتنا لگاؤ نہیں جتنا اپنے اُزبایا مین دُون اللہ کی بارگاہوں
 میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے سے سروکار ہے۔

گکھڑوی صاحب! آپ ”بابِ جنت“ کے مصنف کو ان کے امام ربانی یعنی مولوی
 رشید احمد صاحب گنگوہی آنجنابی کے بارے میں ان کے سوانح نگار مولوی عاشق الہی میرٹھی
 دیوبندی کا یہ فیصلہ کن اور واضح بیان تو سنا دیں جو میرٹھی صاحب نے گنگوہی صاحب اینڈ
 کمپنی کے بارے میں بقلم خود لکھا ہے:-

”جیسا کہ آپ حضرات (گنگوہی صاحب اینڈ کمپنی) اپنی مہربان سرکار

کے ان پجاریوں کو برٹش حکومت کا مخالف اور ان کے مخالفوں کو خواہ مخواہ بغیر کسی ثبوت کے برٹش گورنمنٹ کا ایجنٹ بتانے سے معصفت صاحب کو کچھ تو شرم آجانی چاہیے تھی.....

راخ العقیدہ مسلمانوں کو اگرچہ انگریزوں نے اپنے ظلم و جور کی چکی میں پیس رکھا تھا..... ایسٹ انڈیا کمپنی اگرچہ نواب سراج الدولہ اور سلطان ٹیپو شہید جیسے ملت اسلامیہ کے سپہتوں کی قاتل سہی لیکن جعفر و صادق کی ڈگر پر چلنے والوں کے لیے تو رحم دل گورنمنٹ ہی تھی اور اس کا دور حکومت ایسے خداروں، ملت اسلامیہ کے بدخواہوں کے لیے تو امن و عافیت ہی کا زمانہ تھا.....

کاش! چند روزہ زندگی کے آرام و راحت اور لقمہ تر کے عوض وہ حضرات اپنے دین و ایمان کا سودا نہ کرتے اور مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی ایسی آگ نہ لگاتے جو حال ابھنے میں نہیں آئی بلکہ وقت کے ساتھ اور بھڑکتی جا رہی ہے..... پاکستان کو قائم ہوئے اتنی مدت گزر گئی لیکن کسی حکومت نے اس آگ کو بجھانے اور کنوئیں میں پڑے ہوئے اس کتے کو نکال کر کنوئیں کا پانی پاک کرنے کی مطلقاً کوشش نہیں کی..... بہر حال دین فروشی کے اس دور میں بھی فضاؤں کے اندر یہ آواز گونج رہی تھی۔

اے طائر لا ہوتی اس رزق سے موت اچھی جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

گلگندوی صاحب! ”بابِ جنت“ کے مصنف کو یہ واقعہ بھی سنا دیجئے کہ ان کے مجدد دین و ملت اور حکیم الامت یعنی مولوی اشرف علی صاحب تھانوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) سے ان کے کسی معتقد نے سوال کیا کہ ”اگر آپ کی حکومت ہو جائے تو آپ انگریزوں سے کیا سلوک کریں گے؟“ تھانوی صاحب کا تاریخی جواب آج تک ان لفظوں میں موجود ہے:

”میں نے کہا محکوم بنا کر رکھیں گے کیونکہ جب خدا نے حکومت دی تو محکوم

سامنے یا قلم کاتب کے ہاتھ میں۔۔۔ مردے اور قلم کی کوئی مرضی نہیں ہوتی بلکہ مرضی اور اختیار کام کرتا ہے غسال اور کاتب کا وہ ہماری مہربان انگریزی سرکار ابد قرار ہے۔“

کاش کوئی ”بابِ جنت“ کے مصنف کو اس وقت یہ شعر سنا دے۔

وہ شیفہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی میں کیا بتاؤں رات مجھے کس کے گھر ملے

گلگندوی صاحب کیسے واشگاف الفاظ میں گنگوہی صاحب نے یہ وضاحت فرما دی تھی کہ میں حقیقت میں برٹش سرکار کا فرماں بردار ہوں اس کے باوجود اگر آپ کے سامنے کوئی انہیں برٹش گورنمنٹ کا مخالف بتائے اسے لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ سنا دیتا۔

سردست یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ قیام پاکستان سے پہلے دیوبندی حضرات کا ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بارے میں نظریہ کیا تھا۔ اس سلسلے میں گنگوہی صاحب کے سوانح نگار مولوی عاشق الہی میرٹھی نے اپنی دیوبندی برادری کی ترجمانی کا فریضہ یوں ادا کیا ہے۔

”جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کا سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔“

گلگندوی صاحب! بے ذوق لوگوں کا تو ذکر ہی کیا لیکن کسی صاحب ذوق سے پوچھنا کہ اپنی رحم دل گورنمنٹ کمپنی کے امن و عافیت کا زمانہ ان لفظوں کے اندر معافی کے جو اتمام سمندر ٹھاٹھیں مار رہے ہیں ان کا لحاظ رکھتے ہوئے انگریز بہادر

ہنا کر ہی رکھیں گے۔ مگر ساتھ ہی اس کے نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا اس لیے کہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے۔“

تھانوی صاحب کے ان لفظوں میں کہ.....

”انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے“

حقیقت نفس الامری کا کیسا واضح اعتراف ہے۔۔۔ دوسری جانب برٹش گورنمنٹ

کے نمک حلال ہونے اور شکر گزاری کا ثبوت پیش کرنے کی خاطر یہ وضاحت بھی فرمادی کہ

”آج ہم محکوم سہی لیکن بالفرض ہماری حکومت ہو جائے تو ہم اپنے ان

انگریز محسنوں، کرم فرماؤں کو بھولیں گے نہیں بلکہ انہیں ہماری عملداری

کے اندر نہایت آرام و راحت سے رکھا جائے گا۔“

کیا موصوف کے اس ذاتی اعتراف کے بعد بھی کسی ثبوت کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ

تھانوی صاحب برٹش گورنمنٹ کے لیے وقف ہو کر رہ گئے تھے یا نہیں۔ موصوف کے اس

آرام کی کہانی کو سابق صدر دیوبند یعنی علامہ شبیر احمد عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) کی زبانی

سنئے جبکہ ۷ دسمبر ۱۹۴۵ء کو علامہ دیوبند کی ایک خاص میٹنگ ہوئی کہ کانگریسی اور مسلم لیگی علمائے

دیوبند میں مصالحت کروائی جائے۔۔۔ اس موقع پر طرفین کے دیوبندی اکابر کی موجودگی

میں علامہ عثمانی صاحب نے یہ حیرت انگیز انکشاف فرمایا جس کی کوئی بڑے سے بڑا دیوبندی عالم

بھی تردید نہ کر سکا۔۔۔ موصوف نے فرمایا تھا:-

”دیکھئے مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اور آپ کے مسلم

بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ

ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس

کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی کو اس کا علم نہ تھا کہ

روپیہ حکومت دیتی ہے، مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس

کا شبہ بھی نہ گزرتا تھا۔“

لگھنؤی صاحب! چھ (۶۰۰) سو روپیہ ماہوار ملنے کی تو کسی سے تردید نہ ہو سکی۔

رہی عثمانی صاحب کی یہ توجیہ کہ

”تھانوی صاحب کو اس نذرانے کا علم نہ تھا یا انہیں اس کا شبہ بھی نہ گزرتا

تھا۔۔۔۔۔“

تو جن حضرات کا آج بھی یہ خیال ہو ان سے پوچھیے تو سہی کہ

اگر آپ کے تھانوی صاحب کو انگریز حکومت کے وظیفے کا علم نہ ہوتا تو

دوران ملفوظات یہ کیسے فرماتے کہ ”ہماری اگر حکومت ہو جائے تو انگریزوں

کو نہایت راحت و آرام سے رکھا جائے گا کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام

پہنچایا ہے۔“

علاوہ بریں اگر برطانوی نذرانوں اور برٹش حکومت کی دیگر عنایات سے تھانوی

صاحب بے خبر ہوتے اور ان کا نہیں شبہ بھی نہ گزرا ہوتا تو کفریہ عبارت کیوں لکھتے؟ اگر سہو

ایسا ہو جاتا تو علمائے اہلسنت کے سمجھانے بھجانے کے باوجود ہرگز کفر پر قائم رہنے کا عزم

بالجزم نہ کرتے۔۔۔ دریں حالات بے خبر ہونے اور شبہ تک نہ گزرنے کی بات محض تھانوی

صاحب کے ظاہری تقدس کا بھرم رکھنے کی خاطر ہے۔ لہذا ان کے معتقدین کو ڈنکے کی چوٹ بتا

دیتے تھے کہ ان کے مسلم بزرگ اور پیشوا کو برٹش گورنمنٹ کی عنایات و وظائف کا پورا پورا علم تھا اور

انہوں نے وہ انتہائی السناک یعنی کفریہ ڈرامہ برٹش حکومت کے ہاتھوں میں چوں قلم در

دست کاتب ہو کر ہی کیا تھا جس کا باعث انگریز حکومت اور تھانوی صاحب دونوں اپنی جگہ

مطمئن تھے کیونکہ۔۔۔۔۔

دیوبند کے مذکورہ بالا اجلاس میں مشہور دیوبندی گاندھی عالم اور کانگریس کی پراسرار ذیلی شاخ

یعنی جمیعتہ العلماء ہند کے ناظم اعلیٰ مولوی حفیظ الرحمن صاحب سیوہاروی (المتوفی ۱۳۸۲ھ

مچھلی نے ڈھیل پائی ہے، لقمے پہ شاد ہے

صیاد مطمئن ہے کہ کاٹا گل گئی

ڈالیں ... تحریک پاکستان کو کمزور کرنے پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ اپنی تمام تر صلاحیتیں بت پرستوں کے قدموں پر نچھاور کیں ... اور بت پرست نوازی کے بین الاقوامی ریکارڈ بھی قائم کیے لیکن ہمارے دو چار عالم ایسے بھی تو ہیں جنہوں نے پاکستان کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور ہمارے علامہ عثمانی نے جمعیت الاسلام اسی لئے قائم کی تھی۔“

اس امر کا ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی چند دیوبندی علماء نے مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی کی قیادت میں تحریک پاکستان کے اندر حصہ لیا تھا لیکن اس مرحلے پر یہ دیکھنا ہو گا کہ انہوں نے حصہ کیوں لیا تھا؟ ... اپنے سارے بت پرست نواز ٹولے کو چھوڑ کر چند دیوبندی مولوی قیام پاکستان کے حامی کیوں بنے؟ ... اس کا جواب مذکورہ اجلاس میں اکثر علمائے دیوبندی موجودگی میں مولوی حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی نے علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب کو یوں دیا تھا جس کی وہ قطعاً تردید نہیں کر سکے تھے:

”مولانا حفظ الرحمن صاحب کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ کلکتہ میں جمعیت العلماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایماء سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبانی جمعیت العلماء کے سلسلہ میں دہلی آئے اور حکیم دلبر حسن صاحب کے یہاں قیام کیا، جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبانی صاحب اسی قیام کے دوران میں پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلیٰ عہدیدار سے ملے جن کا نام بھی قدرے شبہ کے ساتھ بتلایا گیا اور مولانا آزاد نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیت العلماء ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے ایک علماء کی جمعیت قائم کرنا چاہتے ہیں گفتگو کے بعد ملے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کی لئے دے گی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبانی صاحب کے حوالے بھی کر دی گئی۔ اس روپیہ سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔

مولوی حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر

/ ۱۹۶۲ء) نے تبلیغی جماعت کے بانی مولوی الیاس صاحب کاندھلوی (المتوفی ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء) کے بارے میں علی رؤوس الاشهاد ایک الناک انکشاف بھی فرمایا تھا جو مولوی طاہر احمد قاسمی دیوبندی کے لفظوں میں ملاحظہ ہو:-

”اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمن (سیوہاروی) صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب (کاندھلوی) رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداء حکومت کی طرف سے بذریعہ حاجی رشید صاحب کچھ روپیہ ملا تھا پھر بند ہو گیا۔“ ۹

لکھنؤی صاحب! دیوبندی حضرات کے حکیم الامت جناب تھانوی صاحب (م ۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) اور ان کے نزدیک صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی یاد تازہ کر دینے والے اور تبلیغی جماعت کے بانی جناب کاندھلوی صاحب (۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء) کے تقدس کی جو تصویر آپ کے سامنے آئی ہے اس کے پیش نظر ”باب جنت“ کے مصنف کو یہ شعر تو سنا دیجئے۔
چھوٹا نہیں شراب کو بھی بے وضو کیے
قالب مرے میں روح کسی پارسا کی ہے

موجودہ دیوبندی علماء کہا کرتے ہیں کہ:

”ماتا ہمارے اکثر کانگریسی اکابر نے قیام پاکستان کے راستے میں رکاوٹیں

۹ ”مکالمۃ الصدرین“ مطبوعہ لاہور ص ۱۳

نوٹ: یہ وہی تبلیغی جماعت ہے جس کا ہجرت میں مرکز ہستی نظام الدین دہلی اور پاکستان میں رائے وٹہ لاہور ہے۔ اس کے بانی الیاس کاندھلوی دیوبندی (م ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۳ء) قیام پاکستان (۱۳ اگست ۱۹۴۷ء) سے قبل وفات پا چکے تھے۔ تبلیغی جماعت اور اس کے بانی کے متعلق مزید معلومات کے لیے درج ذیل تصانیف ملاحظہ فرمائیں:

- (۱) مشعل راہ علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری
- (۲) تبلیغی جماعت (حقائق و مطومات) مولانا ارشد قادری صاحب
- (۳) تبلیغی جماعت کی حقیقت شیخ الاسلام ابوالحسن زید قادری مجددی
- (۴) تبلیغی جماعت سے اختلاف کیوں؟ مولانا ضیاء اللہ قادری صاحب
- (۵) تبلیغی جماعت کے کارنامے علامہ فیض احمد اویسی صاحب
- (۶) تبلیغی جماعت کا شناختی کارڈ علامہ فیض احمد اویسی صاحب
- (۷) تبلیغی جماعت کی حقیقت علامہ فیض احمد اویسی صاحب
- (۸) تبلیغی جماعت علامہ دیوبندی نھر میں مولانا نواب دین گلزوی صاحب (رفیق)

اور مسلم لیگ کی ہموائی کا دم بھرا تو صرف پیٹ شریف کی خاطر... گویا ان حضرات کے پاس دین و ایمان ہی ایک زائد از ضرورت چیز تھی جس کو چند سکوں اور چند روزہ زندگی کے آرام و راحت کے بدلے جو خریدنا چاہتا وہ خرید سکتا تھا یعنی ۔

ایمان بیچنے پہ ہیں وہ سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے

گکھڑوی صاحب! لگے ہاتھوں ”بابِ جنت“ کے مصنف کو یہ بتا دیجئے کہ برٹش گورنمنٹ نے اپنے مقصد کے علماء کی کھپ دہلی کالج سے مولوی مملوک علی نانوتوی (التونی ۱۲۶۶ھ / ۱۸۵۱ء) کی سرکردگی میں تیار کروائی تھی۔ حکومت کی مشینری کے جتنے پرزے اس درکشاپ سے ڈھل کر تیار ہو جاتے انہیں برٹش حکومت جہاں مناسب سمجھتی فٹ کر دیا کرتی تھی۔۔۔ جب ان میں سے چند حضرات انگریزوں کی سرکاری ملازمت سے فارغ ہوئے تو انہیں بیکار نہ رہنے دیا بلکہ ان کے ذریعے علی گڑھ کالج کی طرح دہلی کالج کی دوسری شاخ مدرسہ دیوبند کے نام سے کھلے میدان میں ایک اتار کے درخت کے نیچے قائم کر دی تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔۔۔ ملک کے اندر اس وقت بھی ہزاروں دینی مدارس موجود تھے لیکن کھلے میدان میں اتار کے درخت کے نیچے قائم ہونے والا مدرسہ دیکھتے ہی دیکھتے جامعہ ازہر کے بعد دنیا کا سب سے بڑا دینی مدرسہ کس طرح ہو گیا۔۔۔ اہل قلم حضرات کو اس کا تجزیہ کرنا ہو گا اور ان اسباب و علل کو منظر عام پر لانا ہو گا جن کا باعث یہ مدرسہ قطرہ سے دریا بن گیا ہے۔

گکھڑوی صاحب! ”بابِ جنت“ کے مصنف کو یہ بھی بتا دیجئے کہ مدرسہ دیوبند کے بانیوں میں مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (التونی ۱۲۹۷ھ / ۱۸۷۷ء) اور حاجی عابد حسین صاحب کے علاوہ دیوبندی حضرات کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب (التونی ۱۳۳۹ھ /

آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کروا سکتے ہیں۔“ ملے
گکھڑوی صاحب! اب تو ”بابِ جنت“ کے مصنف پر کائناتِ دیوبندیت کے
چودہ طبق روشن ہو گئے ہیں؟

☆ برٹش گورنمنٹ کے ہوئے تو وظیفوں اور نذرانوں کی خاطر دین و ایمان فروخت کر دیا۔
☆ ہندو پرستی اور زنا و دوستی کا نشہ چڑھا تو لقمہ تر کے لیے (۱).....

- ۱۔ ”مکالمۃ المصدرین“ مرتبہ مولوی طاہر احمد قاسمی
۲۔ ان حضرات کی زنا و دوستی، ہندو نوازی اور گاندھیویت کی اگر جھلکیاں دیکھتی ہوں تو مندرجہ ذیل مآخذ کی طرف رجوع کیجئے:
(۱) ”مشفعل راہ“ مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہانپوری
(۲) ”تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم“ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(۳) ”تقییدات و تقابلات“ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
(۴) ”جعفران ایں زمان“ محمد صادق قصوری نقشبندی
(۵) ”تحریک پاکستان اور دیوبندیوں کا کردار“ حاجی نواب الدین گولڑوی
(۶) ”مخالفین پاکستان“ مولانا محمد ضیاء اللہ قادری
(۷) ”الہ نور“ پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاوی
(۸) ”الرشاد“ پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاوی
(۹) ”گاندھی کی مسلمان اور حقانیت قرآن“ مفتی شاہ معصوم الحسن سید
(۱۰) ”گاندھین دیوبند کا گٹھ جوڑ“ محمد صفدر علی صابر
(۱۱) ”ہندوؤں سے ترک موالات“ فاضل تاج الدین احمد تاج
(۱۲) ”افکار و سیاسیات علماء دیوبند“ مولانا محمد شریف نوری
(۱۳) ”تعارف علماء دیوبند“ مولانا محمد شفیع اکاڑوی
(۱۴) ”گاندھی سے اندرا گاندھی تک“ مولانا محمد جلال الدین قادری
(۱۵) ”ایوانکلام آزادی کی تاریخی کھست“ مولانا محمد جلال الدین قادری
(۱۶) ”کلی چٹھی تمام جمعیۃ العلماء و مجلس احرار اسلام“ مولانا محمد جلال الدین قادری
(۱۷) ”پاک و ہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علمائے حق“ مولانا ظکیل اشرف اعظمی
(۱۸) ”دارالعلوم دیوبند کے ۱۰۰ سال“ عطار جاوید صاحب
(۱۹) ”پاکستان اور گاندھی کی علماء کا کردار“ مولانا ضیاء اللہ قادری نقشبندی
(۲۰) ”انگریز اور پاکستان کے حامی و مخالف علماء کا بیان“ مولانا حاجی ابوداؤد محمد صادق صاحب (رفیق)

(۱۹۲۰ء) کے والد مولوی ذوالفقار علی دیوبندی (التوفی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۳ء) بھی تھے۔ یہ پہلے بریلی کالج میں پروفیسر تھے اور اس کے بعد ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے عہدے پر فائز ہوئے۔ موصوف اس سرکاری عہدے سے ریٹائر ہو کر مدرسہ دیوبند کے قیام کی تجویز میں شامل ہو گئے تھے جس کے قائم کرنے کا متواتر کئی حضرات کو الہام ہو رہا تھا۔

اسی طرح علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی (التوفی ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء) کے والد مولوی فضل الرحمن صاحب کا شمار بھی اس مدرسے کے بانیوں اور چلانے والوں میں ہے۔ یہ صاحب بریلی میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے اور اسی سرکاری عہدے سے ریٹائر ہو کر بانیان مدرسہ دیوبند میں شامل ہو گئے تھے۔ ان جملہ حضرات کو پے در پے ”الہام“ ہو رہا تھا کہ (۱)

جلد از جلد ایک دینی مدرسہ قائم کرو، خواہ وہ انار کے درخت کے نیچے ہی کیوں نہ ہو۔ بس قائم کرنا تمہارا کام اور اسے بام فلک تک پہنچا دینا۔
ہمارا کام ہو گا۔ ذرا تم قائم کر کے دیکھو تو سہی کہ۔۔۔

ہمارا کام ہو جائے، تمہارا نام ہو جائے
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

اس مدرسے کا سب سے پہلے صدر مدرس جن صاحب کو مقرر فرمایا گیا وہ دہلی کالج کی برطانوی ورکشاپ کے جنرل منیجر مولوی مملوک علی نانوتوی کے صاحبزادے مولوی محمد یعقوب نانوتوی (التوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) تھے۔ یہ صاحب شروع میں اجمیر کالج کے اندر تدریسی فرائض انجام دیتے رہے اور اس کے بعد بنارس، بریلی اور سہارن پور میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اسی سرکاری عہدے سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد اور انگریزوں کی سرکاری ملازمت سے فارغ ہونے پر یہی سوچا گیا کہ:

۱۔ ”میں بڑے مسلمان“ مولوی عبدالرشید ارشد م ۲۳/۲۵/۲۹ ملاحظہ کیجئے (رقعی)

’الہامی مدرسے کے لیے ان سے بہتر اور مدرس کون مل سکتا ہے‘

لہذا کھلے میدان میں قائم ہونے والے مدرسہ دیوبند کا پہلا مدرس ایک اتنا بڑا سرکاری افسر ہوا۔۔۔ معلوم ہونا چاہئے کہ متحدہ ہندوستان کے باشندے ان دنوں ڈپٹی انسپکٹر مدارس کے سرکاری عہدے پر فائز ہونے والوں کو کالے پادری کہا کرتے تھے۔

جب برٹش گورنمنٹ نے اپنے تربیت یافتہ افراد سے مدرسہ دیوبند قائم کروا لیا تو کچھ عرصہ کے بعد ایک خاص معتمد مسٹر پامر کے ذریعے معائنہ کروایا گیا تاکہ یہ جائزہ لیا جائے کہ جس مقصد کی خاطر یہ مدرسہ قائم کروایا تھا وہ حاصل ہو رہا ہے یا نہیں چنانچہ معائنہ کرنے والے مسٹر پامر کی کہانی پروفیسر محمد ایوب قادری دیوبندی کی زبانی سنئے:-

”اس مدرسے نے یوں فیوٹا ترقی کی۔ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یکشنبہ لیغٹینٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے معائنے کی چند سطور درج ذیل ہیں:

جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ مدد و معاون سرکار ہے۔ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگ ایسے آزاد اور نیک چلن ہیں کہ ایک کو دوسرے سے کچھ واسطہ نہیں۔ کوئی فن ضروری ایسا نہیں جو یہاں تعلیم نہ ہوتا ہو۔

صاحب!

مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کوئی تعلیم اور تعلیم گاہ نہیں ہو سکتی اور میں

تو یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ غیر مسلمان بھی یہاں تعلیم پاوے تو
خالی نفع سے نہیں" ۱۱

گکمرودی صاحب! "باب جنت" کے مصنف کو اب تو سمجھا دیجئے کہ

☆ جو مدرسہ کالے پادریوں نے قائم کیا

☆ جس کے بارے میں خود انگریزوں نے اعتراف کیا کہ یہ مدرسہ مہم و معاون سرکار

ہے یعنی برٹش گورنمنٹ کے استحکام اور جڑیں مضبوط کرنے میں کوشاں رہتا ہے

☆ جس کے اکابر نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی بھرپور حمایت کی

۱۱ "مولانا محمد احسن نانوتوی" مطبوعہ کراچی ۱۹۶۹ء ص ۲۱۷

نوٹ: مخالفین کے اکابر کی انگریز نوازی اور برطانوی وظیفہ خوری کی تفصیلات دیکھنی ہوں تو درج ذیل مآخذ ملاحظہ کیجئے:

(۱) "مشعل راہ" علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

(۲) "فیضان امام ربانی" علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

(۳) "حقائق تحریک بالاکوٹ" شاہ حسین گردیزی

(۴) "سید احمد حمید کی اصلی تصویر" وحید احمد مسعود

(۵) "سید احمد کے فسانہ جہاد کی حقیقت" سید نور محمد قادری

(۶) "انتیاز حق" راجہ غلام محمد مرحوم

(۷) "شیشے کے گھر" علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

(۸) "البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ" علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

(۹) "رائے بریلی سے بالاکوٹ تک" پروفیسر محمد احسان الحق

(۱۰) "مخالفین پاکستان" علامہ محمد ضیاء اللہ قادری

(۱۱) "خون کے آنسو" (دو حصے) علامہ مشتاق احمد نظامی

(۱۲) "گناہ بے گناہی" پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

(۱۳) "اتہامات عبدالرزاق طبع آبادی پر ایک نظر" مولانا ابوداؤد محمد صادق

(۱۴) "سید احمد رائے بریلی: انگریز دشمن یا انگریز دوست؟" مولانا نوشاد عالم چشتی

(۱۵) "تاریخ محاسبہ تعویہ الامیان" مولانا نوشاد عالم چشتی

(رہنمائی)

☆ اپنی تمام ہمدردیاں ایسٹ انڈیا کمپنی سے وابستہ رکھیں

☆ بلکہ انگریز کی حمایت میں حریت پسندوں سے برسرِ پیکار بھی ہوئے

☆ جنہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد حکومت کو امن و عافیت کا زمانہ بتایا

☆ جو اپنے آپ کو برٹش سرکار کا وفادار بتاتے اور منواتے رہے

☆ جو خود یہ اعلان کرتے رہے کہ اگر ہماری حکومت ہو جائے تو ہم انگریزوں کو

نہایت آرام و راحت سے رکھیں گے کیونکہ انہوں نے ہمیں آرام پہنچایا ہے

☆ جو انگریزوں سے ہزاروں روپیہ سالانہ بطور نذرانہ وصول کر کے تخریب دین و افتراق

بین المسلمین کا خالمانہ کھیل کھیلتے رہے

ایسے لصوص دین کا محاسبہ کرنے والا اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچنے کی تلقین

کرنے والا تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۰۳۳ھ/۱۶۲۳ء) کی طرح

اپنے دور میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خیر خواہ اور سرمایہ ملت کا نگہبان تھا (۱)۔

کیا اسلامیان ہند کے اس عظیم الشان محسن یعنی امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ سے دشمنی رکھنا، ان پر جھوٹے الزام عائد کرنا محسن کشی کی بدترین مثال اور حق و

صداقت کے خلاف محاذ بنانا ہے یا نہیں؟

گکمرودی صاحب! لگے ہاتھوں "باب جنت" کے مصنف سے یہ بھی پوچھ لیجئے

کہ رہنماؤں کو راہزن اور راہزنوں کو رہنما بنانا 'باب جنت' ہے یا باب

جہنم؟

(۱) اس موضوع پر غلام مصطفیٰ جہودی (ایم اے) کی کتاب "مجدد الف ثانی اور اعلیٰ حضرت" (ناشر: مرکزی مجلس رضا

لاہور، اگست ۱۹۹۶ء) لائق مطالعہ ہے جس میں امام ربانی، مجدد الف ثانی اور امام اہل سنت، مجدد دین و ملت رحمۃ اللہ

(رہنمائی)

تعالیٰ علیہا کی مشترکہ اقدار و افکار و تعلیمات کو خوب اجاگر کیا گیا ہے۔

کہنا 'نتیجہ کیا سامنے آتا ہے سچا آدمی منہ چھپاتا ہے یا جھوٹا؟.....
جناب عالی!

اگر اکابر دیوبند کی عبارتوں میں امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذرا بھی قطع و برید سے کام لیا ہوتا اور مولوی خلیل احمد صاحب اعظمی کو اس سے بہتر موقع زندگی میں اور کب ملتا؟ وہ ایک لمحہ توقف کیے بغیر علمائے مکہ مکرمہ کے سامنے اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قطع و برید کو ظاہر کر کے پوری دیوبندی قوم کا قرضہ چکا دیتے۔ کیونکہ ایسی حالت میں علمائے مکہ مکرمہ کی نگاہوں میں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک کوڑی کے بھی نہ رہتے بلکہ وہ متحدہ ہندوستان میں آکر اہل علم کو کبھی منہ نہ دکھا سکتے۔

ایسا کیوں ہوتا جبکہ یہ محض الزام تراشی اور بہتان بندی ہے جبکہ صورت حال اس کے سراسر برعکس ہے جس کے باعث علمائے مکہ مکرمہ سے منہ چھپا کر اعظمی صاحب ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو راتوں رات مکہ معظمہ سے ایسے بھاگے کہ جدہ جا کر دم لیا جیسا کہ قاضی مکہ مکرمہ اور سابق مفتی احتاف شیخ صالح کمال کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مکتوب گرامی سے واضح کیا جا چکا ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مکہ مکرمہ کے درمیان ۲۳ صفر ۱۳۲۳ھ تک یوں جلوہ افروز رہے جیسے چودھویں کا چاند تاروں کے جھرمٹ میں (۱) شاید مصنف صاحب کے نزدیک حق کا یہی خاصا ہوگا کہ وہ باطل کے سامنے آنے سے ڈرے اور موقع ملے تو راہ فرار اختیار کر جائے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے نزدیک "جَاءَ الْحَقُّ وَهَقَّ الْبَاطِلُ إِنَّ"

(۱) ۲۷ ذوالحجہ شریف ۱۳۲۳ھ ہجری قمری سے ۲۳ صفر ۱۳۲۳ھ ہجری قمری تک کی مدت قریب دو ماہ ہے حیرت ہے کہ اس عرصے میں دیوبندیوں کے "مفتی مدین" اعظمی صاحب کو علماء حرمین شریفین کے سامنے امام اہل سنت محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی "طی گرفت" کی جرات و ہمت نہ ہوگی۔

۲۵ صفر ۱۳۲۳ھ ہجری قمری سے امام اہل سنت مجددین و ملت الشاہ احمد خاں محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علمائے حرمین طہیین کی بارگاہوں سے سرخرو ہو کر اپنے وطن کی جانب عازم سفر ہو چکے۔ اور ٹھیک سولہ سال بعد ۲۵ صفر ۱۳۲۳ھ ہجری قمری ۱۹۱۱ء بروز جمعہ المبارک فریضہ تجدید سرانجام دے کر اپنے پروردگار جل شانہ کے حضور حاضر ہوئے۔ (رفیق)

وہ رضا کے نیزہ کی مار ہے کہ عدد کے سینہ میں غار ہے
کے چارہ جوئی کا دار ہے، یہ دار دار سے پار ہے

رابعاً

"باب جنت" کے مصنف نے بڑے طمطراق سے یہ بھی لکھا ہے:

"مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے اکابر علمائے دیوبند کی عبارات کو قطع برید کر کے علمائے حجاز سے ان کے خلاف فتویٰ لیا تھا۔"

مگھڑوی صاحب! ذرا اس تمیں مار خاں مصنف کو بتا دیجئے کہ مجدد مائتہ حاضرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے علمائے حرمین کے سامنے اکابر دیوبند کی صرف عبارتیں ہی پیش نہیں کی تھیں بلکہ ان کی متعلقہ کتابیں بھی پیش کر دی تھیں بلکہ "براہین قاطعہ" کے متعدد نسخے تو وہاں ۱۳۰۳ھ اور خصوصاً ۱۳۰۷ھ سے موجود تھے جبکہ "تقدیس الوکیل" پر تھاریٹ لکھی گئی تھیں..... نیز علمائے حرمین قبل ازیں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آشنا تھے کیونکہ ۱۳۱۷ھ میں ان حضرات نے آپ کے رسالہ "فتاویٰ الحرمین برہنہ ندوۃ الیمین" پر تقریظیں لکھی تھیں اور اسی وقت سے آپ کے علمی تسبیح اور درجہ امامت کے باعث ان میں سے متعدد حضرات آپ کے شیدائی اور زیارت کیلئے سراپا اشتیاق ہوئے بیٹھے تھے۔

بالفرض یہ کچھ بھی نہ ہوتا تو بقول مصنف صاحب جب اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اکابر دیوبند کی عبارتیں قطع و برید کر کے علمائے مکہ کی خدمت میں پیش کیں اور وہ حضرات فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوے کی تائید میں دھوم دھام سے تقریظیں لکھ رہے تو دیگر اکابر دیوبند کے ساتھ اعظمی صاحب کی گردن بھی تو تیغ تکفیر سے کٹ رہی تھی اور اعظمی صاحب مکہ مکرمہ میں بغض نفیس موجود تھے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے لیکن سامنے ہو کر ایک لفظ بھی کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ اگر اعلیٰ حضرت محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قطع و برید کی تھی تو اعظمی صاحب کیوں منہ چھپا رہے تھے؟ خدا لگتی

کے رو برو ہونے اور اکابر دیوبند کی کفریہ عبارات کی صفائی یا کم از کم اپنی ہی عبارت کے بارے میں ایک لفظ تک کہنے کی جرات نہ ہوئی۔ کہتے کیا جب کسی عبارت میں اسلامی معنی کی رفق تک نہیں ہے۔ ان صاف صریح کفریہ عبارتوں میں چونکہ اسلامی پہلو کا نشان تک نہیں اس لئے اٹھویں صاحب پچارے لب کشائی کی جرات کس برتے پہ کرتے؟ لہذا چھپنے میں خیریت سمجھی ورنہ کفریات سے توبہ کرنی پڑتی اور یہ منظور نہیں تھی کیونکہ انگریزی وظیفے بند ہو جاتے اور چند روزہ زندگی نہایت آرام و راحت سے نہ گزرتی اسی لیے راتوں رات مکہ مکرمہ سے ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ کو دم دبا کر بھاگ آئے۔

یہاں آنے پر برادری کے اکابر جمع ہوئے۔ سر جوڑ کر بیٹھے کہ اس ذلت و رسوائی کا داغ مٹائے۔ اہل حق کے خلاف شور مچانے، حق کو باطل اور باطل کو حق بتانے، برٹش حکومت سے پوری طرح یاری نبھانے اور بے خبر لوگوں کو اپنا بھرم دکھانے کی خاطر گھر میں بیٹھ کر ”المہند“ لکھنے کا منصوبہ بنایا کہ اپنے توہر بات پر اندھے مقلد ہو کر آمین کہتے ہی رہتے ہیں۔ دوسرے بے خبر لوگوں کی آنکھوں میں پوری جرات سے دھول ڈال دی جائے۔ لہذا اٹھویں صاحب نے کفر و دشوں کے مشورے سے اس شعبہ کو یوں مرتب کیا۔

(۱) کام چلانے کے لیے متعلقہ و غیر متعلقہ پچیس سوالات خود گھڑے اور تاثر دیا کہ گویا علمائے حرمین شریفین نے ان سے پوچھا ہے۔۔۔۔۔

(۲) ان سوالوں کے اپنے مذہب اور اپنے اکابر کی تصریحات کے خلاف جواب لکھے تاکہ دیکھنے والے عربی علماء کو یہی تاثر ملے کہ یہ پچارے شاید سنی حنفی ہی ہوں گے اور ان مسکینوں پر کسی نے ظلم کیا ہے کہ انہیں سنی نہیں مانتے بلکہ اسلام سے خارج بتاتے اور کافر و مرتد کہتے ہیں۔

(۳) یہ غیر متعلقہ سوال جواب کا پلندہ غیر متعلقہ آدمیوں کے ہاتھوں ان ہندی علماء تک پہنچایا گیا جو منافقین مدینہ کی طرح علمائے مکہ مکرمہ کے درمیان تقیہ کی آڑ میں گزارا کر

الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوْقًا“ کا بھی یہی مفہوم ہو۔
مولوی دین میں کہہ بھاگ خدا لگتی کچھ
مدی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری
خامساً
مصنف صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:-

جب اکابر علمائے دیوبند کو اس مکاری کا علم ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری (اٹھویں) نے اپنے اور اپنے اکابر کے عقائد لکھ کر علمائے حرمین و شام و فلسطین وغیرہ کو بھیجے۔ انہوں نے وہ پڑھ کر خاں صاحب بریلوی پر صد نفرین کی۔

لکھنؤوی صاحب! ”باب جنت“ کے مصنف کی اس جب پر تو مارے خوشی کے شیطان بھی جھومنے لگا ہو گا۔ گویا امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوے پر جب مکہ معظمہ کے علمائے کرام تقریظیں لکھ رہے تھے تو اس وقت وہاں گویا مولوی خلیل احمد صاحب اٹھویں تو تھے ہی نہیں بلکہ اٹھٹھ سے کوئی چھلاوہ گیا ہوا تھا یا اٹھویں صاحب کا ہمزاد؟۔۔۔ ایسے ہی مواقع پر تو کہتے ہیں کہ چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد ... شاید عارف روم مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے ہی فنکاروں کے بارے میں فرمایا ہے:-

چوں قلم در دست غدارے بود
لاجرم منصور بر دارے بود

لکھنؤوی صاحب! ذرا مصنف صاحب کی عقل کے ناخن تو لیجئے کہ جس مقدس سرزمین پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حرم میں حق و باطل کا فیصلہ ہو رہا تھا۔ دیگر اکابر دیوبند کے ساتھ خود اٹھویں صاحب کی گردن تیغ تکفیر سے کٹ رہی تھی وہاں علمائے مکہ مکرمہ سے کسی ایک

رہے تھے۔

(۴) منور علی ایڈیٹر کمپنی کا جب کوئی مخصوص یا ناہب الحرم وغیرہ ایسے عربی یا پردیسی عالم کو دیکھتا جو کفر و دشمنی اور ان کی تکفیر کے معاملے سے بے خبر ہوتا تو سوال و جواب کا وہ پلندہ اس کے سامنے رکھ کر دو چار لفظ لکھوا لیے جاتے اور اسے معذرت سے شمار کر لیا جاتا کیونکہ اس بھری دنیا میں صورت حال سے کوئی بھی باخبر عالم قطعاً اکابر دیوبند کی تائید کرنے کے لیے تیار نہیں تھا بلکہ کافر مری کے اسراراً "اعلان کاروبار اور ملت اسلامیہ کی بے کسی پر سرد آہیں بھرتے اور خون کے آنسو بہاتے تھے۔۔۔۔۔

لکھنوی صاحب! باطل خواہ کتنا ہی زور کیوں نہ باندھ لے وقتی طور پر خواہ کتنی ہی تند و تیز آندھی کیوں نہ چلا لے لیکن آخر کار ایک روز اسے منہ چھپانا پڑتا ہے۔ حق کے سامنے ٹھہرنے کی جرات نہیں رہتی بلکہ دم دبا کر بھاگنا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ رہی باطل پرستوں کی کانیں کانیں تو اس سے آج تک یہود و نصاریٰ، ہندو مجوس اور کیمونسٹ تک بھی باز نہیں آئے۔ ان میں سے ہر جماعت حقانیت کی مدعی ہے اور اپنے ماسوا کو بھٹکے ہوئے قرار دیتی ہے لیکن ان کے مزعومہ دلائل بھی حق و صداقت سے ایسے ہی دور ہوتے ہیں جیسے الہمد کی جلسازی، دریں حالات "باب جنت" کے مصنف سے پوچھتے تو سہی:-

(۱) امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تائید کرنے والے کسی مکی یا مدنی عالم نے یہ اعتراف کر لیا ہے کہ فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ہمیں دھوکا دیا تھا؟

(۲) تصدیق کرنے والے کسی عالم نے ایسی کوئی تحریر دی کہ حکم تکفیر میں ہم سے غلطی ہو گئی ہے؟

(۳) کیا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تائید کرنے والے کسی عالم نے "الہمد" کی تصدیق و تائید کی ہے؟

(۴) اپنی باقی بائیس سالہ زندگی میں کیا اٹھوی صاحب تائید کرنے والے کسی مکی یا مدنی

عالم سے اپنی حمایت اور فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلاف ایک عبارت بھی حاصل کر سکے؟

(۵) ان کا "الہمد" پڑھ کر خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر صد نفیس کرنا تو بہت دور کی بات ہے، کیا تصدیق کرنے والے کسی بھی عالم کی ایسی ایک عبارت دکھائی جاسکتی ہے جس کے اندر اس نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر نفیس کی ہو؟

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْجِبَارَةُ اُجِذْتُ لِلْكَافِرِينَ

اگر مصنف صاحب ایسی ایک بھی تحریر نہ دکھاسکیں اور ہم انہیں ڈکے کی چوٹ سنائے دیتے ہیں کہ وہ اپنی ساری زندگی میں ایسی ایک بھی تحریر نہ دکھاسکیں گے اور نہ ان کا کوئی ہمنوا وہم خیال ہی دکھاسکے گا تو ان حالات میں غور کرنا چاہیے کہ "الہمد" کی اس شعبہ بازی کا "حسام الحرمین" پر کیا اثر پڑا؟ کیا "حسام الحرمین" کی چمک دمک ذرا بھی متاثر ہوئی؟ کیا اس کی صداقت و حقانیت پر کوئی برا اثر پڑا؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو ان حالات میں ہم "باب جنت" کے مصنف اور جملہ دیوبندی علماء سے ان کے بھلے کی خاطر عرض گزار ہیں کہ:

خدا کے بندو! حق کی مخالفت اور باطل کی حمایت سے باز آ جانا چاہیے کیونکہ دارین کی بھلائی اسی میں ہے۔۔۔۔۔ کسی کے پیچھے خواہ خواہ لگ کر اپنی عاقبت برباد کر لینا 'ابدی عذاب خریدنا' جہنم کا ایندھن بننا۔۔۔۔۔ آخر کہاں کی عقلمندی اور کونسا نفع بخش سودا ہے؟

انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی

سادسا

"باب جنت" کے مصنف نے یہ بھی لکھا ہے:-

کافر و مرتد مان لیں گے؟۔ اگر مصنف صاحب تحریری طور پر ایسا وعدہ کر لیں تو ہم ان کے اس مبارک ارادے کے پیش نظر مطلوبہ تعداد سے زیادہ عبارتیں اور فتوے بھی دکھانے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ اب دیکھتے ہیں کہ مصنف صاحب کی انصاف پسندی کا اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے؟۔ انصاف کی طرف آتے ہیں یا گنگوہی صاحب کی قبر پر رت آرنی پکارنے جاتے ہیں۔ ۱۲ دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا گنبد نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا

سابعاً

اگر علمائے حرمین کے سامنے علمائے دیوبند کی عبارتیں قطع و برید کر کے پیش کی گئی تھیں اور انہوں نے بغیر تحقیق کیے آنکھیں بند کر کے تائید و حمایت میں تقریظیں لکھ دیں کہ واقعی فلاں فلاں حضرات کافر و مرتد ہیں۔ تو اس صورت میں علمائے حرمین کے تقویٰ و طہارت اور ان کے فتوؤں کی کیا قیمت رہ جاتی ہے؟۔ آخر ان مقدس ہستیوں کو کس خوشی میں علمائے دیوبند پر قیاس کیا جا رہا ہے؟۔ کیا وہ حضرات دین و دیانت اور رسم الہفتی سے اتنے عاری تھے کہ تکفیر جیسے نازک ترین مرحلے پر بھی انہوں نے ذاتی طور پر تحقیق کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی اور محض کسی کے کہنے پر دوسروں کو کافر و مرتد قرار دے دیا؟۔

مصنف صاحب! ایک روز آپ نے بھی مرنا ہے اور اپنے پیدا کرنے والے جلّ شانہ کی بارگاہ میں حاضر بھی ہونا ہے۔ وہاں اگر ان حضرات نے آپ کو گریبان سے پکڑا اور بارگاہ رب العالمین جل مجدہ سے انصاف کے طلب گار ہوئے تو وہاں بھی سب کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کا ”الہمد“ جیسا کوئی شعبہ آپ حضرات نے ایجاد فرما لیا ہے؟

۱۲ دیوبندی حضرات کے شیخ الہند مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے عہد جناب گنگوہی صاحب کا مرثیہ لکھتے ہوئے کہا ہے

تمہاری تربت اور کو دے کر طور سے تشبیہ
پکارا بار بار کوئی مری دیکھی بھی نادانی

”اس (الہمد) کے بعد حرمین اور عرب وغیرہ ممالک کے کسی معتبر عالم نے دیوبندیوں کی ہرگز تکفیر نہیں کی۔ اگر ہے مفتی صاحب (احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) میں دم تو اس کے بعد کے علماء عرب کے دو چار فتوے وہ ہمیں دکھادیں مفتی صاحب کا فریضہ تھا کہ علمائے حرمین اور عرب کی ”الہمد علی الہمد“ کی طباعت کے بعد کی تکفیر بتاتے اور اب بھی ہمت ہے تو بتادیں“

گنگوہی صاحب! ذرا مصنف صاحب کو بتائیے تو سہی کہ جب ”الہمد“ کی شعبہ بازی کا ”حسام الحرمین“ پر ذرا بھی اثر نہیں پڑا تو وہ ایسے مجموعہ تلیسات کا کس وجہ سے فخریہ ذکر کر رہے ہیں؟۔ وہ ایسی رسوائی زمانہ تصنیف کا نام لیتے ہوئے شرماتے کیوں نہیں؟۔ جب ”حسام الحرمین“ کی تقریظیں اسی چمک دمک کے ساتھ موجود ہیں تو علمائے حرمین مزید فتوے کس لیے جاری کرتے؟۔

اگر مصنف صاحب کا یہ خیال ہے کہ ”الہمد“ کی طباعت کے بعد علمائے حرمین شریفین نے اللہ و رسول (جل شانہ و صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو گالیاں دینے والے ان علمائے دیوبند کو کافر کہنا چھوڑ دیا تھا اور انہیں مسلمان جاننے لگے تھے جس کے باعث ان کے نزدیک ایسی کوئی عبارت نہیں دکھائی جاسکتی کہ ”الہمد“ کے بعد بھی علمائے حرمین نے علمائے دیوبند کو کافر سمجھا اور کہا ہو تو مصنف صاحب کی یہ خوش فہمی ہے اور انہیں کان کھول کر سن لینا چاہیے کہ بفضلہ تعالیٰ اہلسنت و جماعت میں ایسی عبارتیں دکھانے کا دم ختم ہے اور رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

گنگوہی صاحب! لگے ہاتھوں مصنف صاحب سے اتنا پوچھ لیجئے کہ اگر ”الہمد“ کی طباعت سے بعد کی ایسی دو چار عبارتیں یا دو چار فتوے دکھا دیئے جائیں تو وہ عظمت خداوندی اور شان مصطفویٰ پر حملہ آور ہونے والے اپنے اکابر کو علمائے حرمین کی طرح

کسی گوشے میں چھپ کر اپنی کسی کتاب کے اندر یہ ثابت کر دیا ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے اکابر کی فلاں عبارت میں یہ قطع و برید کر دی تھی؟ ... عبارت کا مطلب تو یہ تھا اور کاٹ چھانٹ کر کے وہ بنا دیا۔۔۔ یقیناً دونوں حضرات اپنی زندگی میں ایسا ایک بھی ثبوت فراہم نہیں کر سکے۔ ہاں ان کے پجاری حق پر پردہ ڈالنے اور جہلا کو بہکانے کی خاطر اسی وقت سے بے پر کی اڑاتے چلے آ رہے ہیں۔ دریں حالات کے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی دیوبندی ڈرامہ

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے ایک سائل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:-
”پھر یہ کہ آپ (حضور) کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جاتا
اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس غیب سے مراد بعض
غیب ہے یا کل غیب۔

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی ہی کیا تخصیص ہے؟ ایسا علم
غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی
حاصل ہے کیونکہ ہر شخص کو کسی نہ کسی ایسی بات کا علم ہوتا ہے جو دوسرے
سے مخفی ہے تو چاہیے سب کو عالم الغیب کہا جائے پھر اگر زید اس کا
التزام کرے کہ ہاں میں سب کو عالم الغیب کہوں گا تو پھر علم غیب کو منجملہ
کمالات نبویہ کیوں شمار کیا جاتا ہے؟ جس امر میں مومن بلکہ انسان کی
بھی خصوصیت نہ ہو وہ کمالات نبوت سے کب ہو سکتا ہے؟ اور

التزام نہ کیا جائے تو نبی اور غیر نبی میں وجہ فرق بیان کرنا ضرور ہے
اور اگر تمام علوم غیب مراد ہیں اس طرح کہ اس کی ایک فرد بھی خارج نہ

جب سر محشر وہ پوچھیں گے بلا کے سامنے
کیا جواب جرم دو گے تم خدا کے سامنے

ثامناً

مجدد ملت حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کے فتویٰ تکفیر کی ۱۳۲۳ھ میں
علمائے حرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے خود اعٹھوی صاحب کی موجودگی میں تصدیق و تائید فرمائی
اور تقریظیں لکھیں۔ اگر ان عبارتوں میں قطع و برید کی گئی ہوتی تو اعٹھوی صاحب کو سانپ نہیں
سوگھ گیا تھا کہ اس کارگزاری کے خلاف بولنے سے مجبور ہو گئے تھے۔۔۔ چلیے اس وقت نہ سہی
کہ شرما گئے ہوں گے۔۔۔ تو اس کے بعد وہ بائیس سال اور تھانوی صاحب
.. انتالیس سال زندہ رہے۔ اتنے عرصے میں علمائے حرمین سے اس قطع و برید کے
بارے میں کوئی تحریر کیوں حاصل نہ کی؟ کیا ہر منصف مزاج کو یہ صاف نظر نہیں آتا کہ
علمائے دیوبند نے اپنے بڑوں کا بھرم رکھنے اور جہلا کو درغلانے کے لیے یہ بے پر
کی اڑائی ہوئی ہے جس کی حقیقت بس یہی ہے کہ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

ثامناً

چلیے یہ دونوں حضرات حرمین شریفین تک نہ گئے تو امام احمد رضا خاں بریلوی
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ۱۳۴۰ھ میں ہوا تھا۔ ان سولہ سترہ سالوں میں اعٹھوی صاحب یا
تھانوی صاحب کم از کم ایک مرتبہ تو اس عمدی کچھار کے شیر کو منہ دکھاتے رو برو ہونے کی
جرات کرتے اور جو قطع و برید کی گئی تھی اسے میدان مناظرہ میں آ کر ظاہر کرتے۔ کم
از کم ہمیں اس بات کا آج تک کوئی ثبوت نہیں مل سکا کہ ان دونوں حضرات نے جیتے جی کبھی
ایسی جرات کا کوئی مظاہرہ کیا ہو۔

عاشراً

چلے مردانگی کی بھی جانے دیجئے کیا ان دونوں حضرات نے گھر میں بیٹھ کر

نہ اسلحہ لیا گیا اس گستاخانہ ایمان سونہ اور کفریہ عبارت، کل نو حضرت کے منہ سے جاری ہوئے۔ اس کے علاوہ جو کچھ قاری کے ذہن میں آیا، اپنے اور عبارت سے بھی مفہوم بدل دیتا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ بیان کیا جاتا ہے وہ کفر پر ہے اور کفر کے لئے کافرانہ عبارتیں دہندہ اور عوام الناس کو شکار کرنے کا پراسرار پھندہ ہے جس کے لئے تھانوی صاحب نے برٹش حکومت کے خرچ پر پہلوان پال رکھے تھے جو علمائے اہل حق سے کشتی لڑنے اور عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مذکورہ پہلوانوں کے پاکستان میں آج کل جانشین ”عبارات اکابر“ کے مصنف صاحب ہیں۔ موصوف نے ”حفظ الایمان“ کی عبارت کو بے غبار اور اسلامی ثابت کرنے کی غرض سے مذکورہ عبارت میں وارد لفظ ایسا کے ”امیر اللغات“ جلد دوم صفحہ ۳۰۲ سے تین معانی پیش کر کے لکھا ہے:-

”لفظ ایسا سے اس قسم کا یا اس قدر یا اتنا کوئی معنی مراد لیں۔ اس کے پیش نظر حضرت تھانوی کی مذکورہ عبارت بالکل بے غبار اور بے داغ ہے اور انہوں نے معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہرگز کوئی توہین نہیں کی۔“ ۱۳

”عبارات اکابر“ کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ

تھانوی صاحب کی عبارت کے لفظ ایسا کا ان تینوں میں سے جو معنی بھی لیا جائے تو اس کے مطابق ”حفظ الایمان“ کی عبارت بے غبار اور بے داغ ثابت ہو جاتی ہے اور ثابت ہو جاتا ہے کہ تھانوی صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی ہرگز توہین نہیں کی۔

موصوف نے ان معانی کے باعث عبارت کے بے غبار ہونے کی دلیل تو ایک بھی پیش نہیں کی بلکہ صرف بے غبار ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔ ہاں اتنا ضرور کیا

رہے تو اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے ۱۴

تھانوی صاحب نے اس عبارت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی شان اقدس پر شرمناک و ایمان سوز حملہ کرتے ہوئے انتہائی گندی گالی دی ہے۔ شان رسالت میں موصوف کی یہ انتہائی گستاخانہ عبارت دیکھ کر پورے ملک کے علمائے کرام سراپا احتجاج بن گئے۔۔۔ تھانوی صاحب کو خوف خدا اور خطرہ روز جزاء سے لاکھ ڈرایا لیکن موصوف کے کان پر جوں تک نہ چلی۔۔۔ جہاں اس عبارت کا کوئی اسلامی محمل بتانے سے عاجز رہے۔۔۔ وہاں توبہ کرنے اور اسے بدل کر اسلامی بنا لینے کی جانب ایک قدم بھی نہ بڑھایا۔۔۔ گھر میں بیٹھ کر جیتے جی اس فتنے کی آگ کو بھڑکاتے رہے اور عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے میدان میں پالتو شیرے چھوڑ دیئے تھے جو اہل علم حضرات سے برسر پیکار ہو کر چونچیں لڑاتے رہتے تھے۔

مذکورہ شیروں کا پہلا ڈرامہ پیش کرنے سے پہلے مذکورہ عبارت کے بارے میں ہم یہ وضاحت کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس عبارت میں تھانوی صاحب نے علم غیب کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱)۔۔۔ بعض غیب (۲)۔۔۔ کل غیب

کل غیب کے متعلق تھانوی صاحب نے لکھ دیا کہ اس کا بطلان دلیل نقلی و عقلی سے ثابت ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے کل غیب ثابت کرنا تو باطل ہو گیا۔ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لیے ثابت رہا تو بعض غیب۔ اب تھانوی صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے لئے جو بعض غیب خود مانا اس کے متعلق صاف کہہ دیا کہ:

اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی کوئی تخصیص نہیں ہے کیونکہ ایسا علم غیب تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

- (۱) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو علم حاصل تھا اس قسم کا علم غیب تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔
 - (۲) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو علم حاصل تھا اس قدر علم غیب تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔
 - (۳) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو علم حاصل تھا اتنا علم غیب تو بچوں، پاگلوں اور جانوروں کو بھی حاصل تھا۔
- جب ”عبارات اکابر“ کے مصنف نے تھانوی صاحب کی کفریہ عبارات کے مفہوم کو اور بھی واضح کر دیا کہ:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جو علم غیب حاصل تھا اس قسم کا اس قدر اور اتنا علم غیب تو بچوں، پاگلوں کو بلکہ جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ اور اس وضاحت کے بعد تھانوی صاحب کا کفر ہر معمولی پڑھے لکھے شخص کو بھی آفتاب بیروز کی طرح واضح نظر آنے لگا کہ قسم، مقدار اور کثرت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاک علم کو نعوذ باللہ بچوں، پاگلوں اور جانوروں کے علم جیسا بتا کر تھانوی صاحب نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بدترین اور انتہائی گندی گالی دی ہے۔

گکھڑوی صاحب ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے کہیے تو سہی کہ ایسی گندی گالی دے کر بھی اگر ان کے نزدیک تھانوی صاحب نے بارگاہ رسالت کی توہین نہیں کی بلکہ عبارت بے غبار اور بے داغ ہو گئی ہے تو بندہ خدا اتنا ہی بتا دیا جائے کہ جب آپ کے نزدیک اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گالیاں دینا بھی کفر نہیں اور ایسا کرنے سے ایمان کی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا بلکہ روحانی درجات میں ترقی ہوتی ہے تو دارالعلوم دیوبند کی فضاؤں میں پلٹنے والوں کے نزدیک کفر اور کون سے جانور کا نام ہے؟

معلوم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی

ہر مروتی بخلاف منظور غفاری دیوبندی کے ”امیز اللغات“ لکھنے والا ہے کہ فیصلہ کن مناظرہ سے ”عبارات اکابر“ میں نقل کرنے کا جو جھوٹا دیا اور حکم فوجا دیا آگے نہ لائے نہ لے ساری دنیا ”حفظ الایمان“ کی عبارت کو آنکھیں بند کر کے بے فہم و تسلیم نہ لے لیا نہ لے کر لے اور جو ایسا نہ کرے وہ بریلوی ہے۔ دشمن دین و ایمان ہے۔ ہٹ دھرم ہے۔ انگریز کا پٹھو ہے۔ موصوف کے اس بے دلیل دعوے کے باعث پیش کردہ تینوں معافی کے لحاظ سے مذکورہ عبارت کے نوٹو پیش کرتے ہیں:-

نوٹو نمبر ۱

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہی کیا تخصیص ہے اس قسم کا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

نوٹو نمبر ۲

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہی کیا تخصیص ہے اس قدر علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

نوٹو نمبر ۳

اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہی کیا تخصیص ہے اتنا علم غیب تو زید و عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔

گکھڑوی صاحب! ”عبارات اکابر“ کے مصنف کے پیش کردہ تینوں معافی کی رو سے تھانوی صاحب کی کفریہ عبارات کا مفہوم یوں سامنے آتا ہے:-

أَنْصَارِهِمْ غَشَاوَةٌ كَ بَاعِثِ ان صَافِ صَرِيحٍ وَضَاحَتِ كُوبِ بَهِ سَیْ حَضَرَاتِ مَجْبُورٍ
وَمَعْدُورٍ هِیْ كِیْوَكَ مَنْ یُضِلُّهُ فَلَا هَادِیَ لَهُ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ جل شانہ اور رسول صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تنگی گالیاں بھی دیتے ہیں اور یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اللہ جل شانہ اور رسول
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کا ذرا بھی ارتکاب نہیں کیا۔ لہذا ہماری لاکھ وضاحتیں بھی نہ
ہونے کے برابر ہو کر رہ جائیں گی۔ دریں حالات یہی مناسب نظر آتا ہے کہ جن حضرات کو
انہوں نے اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ بنا کر اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کیا ہوا ہے یہی الفاظ
ان حضرات کی شان میں جاری کر کے پوچھا جائے کہ ان لفظوں سے آپ کے اَرْبَابًا مِّنْ
دُونِ اللّٰهِ کی توہین تو نہیں ہوتی؟ اگر کوئی آپ کے اکابر کی شان میں یہی کہے تو آپ
برا ماننے کا حق بھی نہیں رکھتے کیونکہ ان لفظوں کے اندر آپ کے نزدیک توہین کا تو شائبہ بھی
نہیں ہے۔

خیر آپ حضرات مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو حکیم الامت اور مجدد دین و ملت کہتے
ہیں کیا دین کا کل علم حاصل ہونے کی بنا پر انہیں ایسا کہا جاتا ہے یا بعض علوم دینیہ کے
باعث؟ کل علوم دینیہ کے حصول کا تو غالباً کوئی دیوبندی عالم بھی ان کے لیے دعویٰ نہیں
کرے گا لہذا نتیجہ نکلے گا کہ تھانوی صاحب کو بعض علوم دینیہ کے حصول کی وجہ سے حکیم الامت
اور مجدد دین و ملت کہا جاتا ہے۔ دریں حالات زید اس سلسلے میں علمائے دیوبند
سے یوں سوال کرتا ہے۔

فوٹو نمبر ۴

اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس قسم
کے علوم دینیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر مہمی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہیں۔

فوٹو نمبر ۵

اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس

قدر علوم دینیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر مہمی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل
ہیں۔ حیوانات کے لیے۔ لہذا یہ توہین کا ذرا بھی ارتکاب نہیں کیا۔ لہذا ہماری لاکھ وضاحتیں بھی نہ
ہونے کے برابر ہو کر رہ جائیں گی۔ دریں حالات یہی مناسب نظر آتا ہے کہ جن حضرات کو
انہوں نے اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ بنا کر اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کیا ہوا ہے یہی الفاظ
ان حضرات کی شان میں جاری کر کے پوچھا جائے کہ ان لفظوں سے آپ کے اَرْبَابًا مِّنْ
دُونِ اللّٰهِ کی توہین تو نہیں ہوتی؟ اگر کوئی آپ کے اکابر کی شان میں یہی کہے تو آپ
برا ماننے کا حق بھی نہیں رکھتے کیونکہ ان لفظوں کے اندر آپ کے نزدیک توہین کا تو شائبہ بھی
نہیں ہے۔

خیر آپ حضرات مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو حکیم الامت اور مجدد دین و ملت کہتے
ہیں کیا دین کا کل علم حاصل ہونے کی بنا پر انہیں ایسا کہا جاتا ہے یا بعض علوم دینیہ کے
باعث؟ کل علوم دینیہ کے حصول کا تو غالباً کوئی دیوبندی عالم بھی ان کے لیے دعویٰ نہیں
کرے گا لہذا نتیجہ نکلے گا کہ تھانوی صاحب کو بعض علوم دینیہ کے حصول کی وجہ سے حکیم الامت
اور مجدد دین و ملت کہا جاتا ہے۔ دریں حالات زید اس سلسلے میں علمائے دیوبند
سے یوں سوال کرتا ہے۔

اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس قسم
کے علوم دینیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر مہمی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل
ہیں۔ حیوانات کے لیے۔ لہذا یہ توہین کا ذرا بھی ارتکاب نہیں کیا۔ لہذا ہماری لاکھ وضاحتیں بھی نہ
ہونے کے برابر ہو کر رہ جائیں گی۔ دریں حالات یہی مناسب نظر آتا ہے کہ جن حضرات کو
انہوں نے اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ بنا کر اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کیا ہوا ہے یہی الفاظ
ان حضرات کی شان میں جاری کر کے پوچھا جائے کہ ان لفظوں سے آپ کے اَرْبَابًا مِّنْ
دُونِ اللّٰهِ کی توہین تو نہیں ہوتی؟ اگر کوئی آپ کے اکابر کی شان میں یہی کہے تو آپ
برا ماننے کا حق بھی نہیں رکھتے کیونکہ ان لفظوں کے اندر آپ کے نزدیک توہین کا تو شائبہ بھی
نہیں ہے۔

اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس قسم
کے علوم دینیہ تو زید و عمرو بلکہ ہر مہمی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل
ہیں۔ حیوانات کے لیے۔ لہذا یہ توہین کا ذرا بھی ارتکاب نہیں کیا۔ لہذا ہماری لاکھ وضاحتیں بھی نہ
ہونے کے برابر ہو کر رہ جائیں گی۔ دریں حالات یہی مناسب نظر آتا ہے کہ جن حضرات کو
انہوں نے اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ بنا کر اپنے دلوں اور دماغوں پر مسلط کیا ہوا ہے یہی الفاظ
ان حضرات کی شان میں جاری کر کے پوچھا جائے کہ ان لفظوں سے آپ کے اَرْبَابًا مِّنْ
دُونِ اللّٰهِ کی توہین تو نہیں ہوتی؟ اگر کوئی آپ کے اکابر کی شان میں یہی کہے تو آپ
برا ماننے کا حق بھی نہیں رکھتے کیونکہ ان لفظوں کے اندر آپ کے نزدیک توہین کا تو شائبہ بھی
نہیں ہے۔

اگر بعض علوم دینیہ مراد ہیں تو اس میں تھانوی صاحب کی ہی کیا تخصیص ہے؟ اس

امثل ہے بھی قلعہ نظر کریں تاج جناب، یہ تو اٹھارہ سو پچیس کے مختصر فتنوں کا
 (تھا نئی) عبادت اللہ، الفیاض الکریم، اگر لفظ امتداد ہو تو اس کی توقع
 البتہ یہ احتمال ہوتا کہ معاذ اللہ منظور علیہ السلام نے حکم کو اور بغیروں کے علم

”ناتقاء“ کے برابر کر دینا۔ یہ محض باجہالت نہیں تو اور کیا کہنے کا رہتا ہے؟ لیا القاف ۱۲

گمزدوی صاحب! ”عبارات اکابر“ کے مصنف نے توسیلاً تھا کہ ”ناتقاء“

الایمان“ کی جگہ پر اصل لفظ ایک ایسا یہ نکال دیا کہ انتہا کے معنی میں لایا جائے تو عبارت بے

غبار اور بے داغ ہو جاتی ہے نیز اس ”معنی تو میں نشان حساسیت کا شاید بھی نہیں لایا جاتا۔ اس کے

لئے آج کے معنی جتناب سے لے کر اصل لفظ لایا ہے جس کے لفظ آیتا کو اگر اصل کے معنی میں لیا جائے تب

تو میں نشان ارسلت الیہم ۱۷ کے درمیان حوالہ دینا ضروری ہے کہ اس کی اصل سے لے کر

حاصل کے ساتھ لایا گیا ہے۔ اکابر کا معنی ہے جو تمام علوم و روایات میں تبحر رکھنے والے ہوں۔

اتما کے معنی میں بتا رہے ہیں۔ _____ ساتھ ہی ناٹووی صاحب نے اپنی توجیہ کے ساتھ

والوں کو لایا کہ علوم و روایات کے لفظوں کی جگہ بھی لایا ہے عبارت الیہم لایا کے معنی کو چاہیے کہ

اس سند کو سنبھال کر رکھیں تاکہ جب بولے ضرورت پڑے قبل تو غفلت میں کام نہ لیں۔ ۱۸

کیوں گھر دوی صاحب!

[illegible]

.. ایمان کی مذکورہ کفریہ عبارت کو بے غبار اور اسلامی ثابت کرنے کی عرض ہے اسی لفظ ایسا کے بارے میں دوسری توجیہ یوں پیش کی ہے:-

۱۵ "الشباب النقب" مطبوعہ دیوبند ص ۱۰۲

ایسا لکھنے پر حیلہ نہ ہو سکتے ہیں تہا بنائے صاف لکھیں کہ اپنے ممدوحین کے متعلق کوئی بھی ایسا نہیں لکھ سکتا اور انہیں بزرگوں کی سراسر توہین سمجھے گا۔ اگر کائنات ارضی و سماوی کے سب سے بڑے ممدوح اور سراپا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بھی ان حضرات کے نزدیک ممدوح ہوتے اور ان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہاتھ عقیقتی کا ذرا بھی ہر ہاتھ ہوتا تو اپنے ہر بڑے سے بڑے کی انجست و حقیریت کو بخوبی پہچان لیا کرتا۔ اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کیسے پاکیزہ قدموں پر قرباؤں لکھ دیتے کیونکہ وہ ممدوح بھی لکھنے والا جزائز نہیں ہوتا۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی لکھنے سے بابعد اسچہ فی مخلوق بھی ہذا کہ عقیقت کے سرکار و مجرّم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو ہر کس کو ہر کس کے ہاتھ لکھنا ہوتا ہے۔

ہم ان یہودیوں کے لئے ایک نیا دھرم، نہ یہودی اور نہ عیسائی کے تحت اس وقت تک
چلائے گا۔ نہ یہودیوں کی خاص چیزیں، نہ ہونانیوں کے رواج و عادت یا تہذیب کو قبول کرے گی بلکہ ہر چال
نہی و حرام اور ایسے اظہار کے معنی میں جو بتائے قہد کہ "محفظ الایمان" کی مذکورہ عبارت میں واقع لفظ ایسا
کے ہمنا مچانے سے بچنے میں ہے۔ تاکہ وہ کسی بھی تفسیر پر صحت کا لفظ نہ بنے
..... یہاں ... اتنا ... کے معنی میں ہے اور اس صورت میں انہوں نے جملہ عربی کو بیچے غلامانہ اور
بے داغ بنا کر کہہ دیا کہ یہ ریحانی صحاح میں جس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ
وسلم کی ہرگز توہین نہیں کی یعنی ایسا تو اگر کمال عقل کے معنی میں ثابت کیا جائے تو عبارت میں ان کے
زودیک توہین کا شائبہ نہیں ہے تاہم لا بد ہے کہ ان کے دل میں

مناسب نظر آتا ہے کہ ”عبارت اللہ کا“ ان کے مصنف کو لائق دیوبندی سہروردی کورٹ میں
 پہنچا دیا جیسا کہ ان کی کتاب ”اللہ کا“ کی کوشش کرتے ہوئے اسی لفظ ایسا
 کی بحث میں دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر جناب حسین احمد صاحب ٹانڈوی نے یوں لکھا
 ہے:-

احترام اور پوزیٹو مندی کے لیے ان کے دل میں آتش کر دینے کا۔ ”مکمل فیصلہ“ اور ”مکمل“ کا۔ کیا قبلہ حاجی صاحب نے اللہ تعالیٰ علیہ السلام کا کیشن بھی لایا تھا؟ تو انہیں ”مکمل“ ہی طرح سارے ملک کے علماء کے کرامات پر احتجاج تھا کہ ان کے لیے پندرہ روز کی مشقت کی تقدیس اور حبیب کردار احمد مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی عظمت پر۔ ”چند مولوی کہلاتے والے“ ناپاکانہ جملے کر کے کہتے ہیں کہ ”ان کے قلب و جگر کی گھنٹی بکھر رہی ہے“ ان کی ایمانی غیرت کو لگا رہے تھے۔ ”جملہ اہل علم و حریت کے لیے یہاں بھائی بھائی کے لیے“ ”چند لوگوں کے“ ”پیٹ پرستی کے باعث“ ”کسی کی نہ سنی“ ”برٹش گورنمنٹ کی پورے ملک پر حاوی ہونے کے باعث“ ”سارے ملک کے احتجاج کر ٹھکراتے رہے۔“ ”اور یوں ملت اسلامیہ کو اپنی دین فروشی کے باعث تڑپاتے رہے۔“ ”اور جاتے وقت اسلامیان ہند پر چند جدید فرقوں کا بوجھ لاد گئے۔“ ”.....“

معافی مانگتے۔ ”عبارات اکابر“ کے مصنف نے عبارت ”حفظ الایمان“ کی مختلف انداز میں صفائی بیان کرتے ہوئے بھول بھلیاں کی سیر کے خوب مزے لوٹے ہیں۔ ”.....“ ”علمائے اہلسنت کو دل کھول کر بے نقط سنائی ہیں۔“ ”اور اپنی چلتی“ ”خوب سینہ زوری اور دھینگا مشتی کا مظاہرہ کیا ہے۔“ ”حالانکہ موصوف سے تھانوی صاحب کا کفر بال برابر بھی ہٹایا نہیں جاسکا لیکن کس مزے سے یہ جرنیلی اور مضحکہ خیز حکم صادر فرما رہے ہیں:

”خاں صاحب (محدث بریلوی) کا پہلا تو یہ فریضہ تھا کہ تکفیر جیسے سنگین قدم کے اٹھانے سے پہلے حضرت تھانوی صاحب سے ان کی مراد دریافت کر لیتے۔ اگر ان کی مراد سے توہین کا ادنیٰ سا احتمال بھی نکلتا تو بلاشبہ ان کی تکفیر کرتے بلکہ یوں کہتے کہ تھانوی ذیل کافر ہے۔“

اور دوسرے درجے پر ان کا یہ فریضہ تھا کہ جب حضرت تھانوی نے اپنی مراد بیان کر دی اور اس پہلو اور اس مطلب و مراد کو کفر کہا جس

میں یہ بات ہو کہ تھانوی صاحب ایمان کی قیمت کیا تھی؟ اور انہوں نے اپنے ایمان کو کتنے داموں میں فروخت کیا تھا؟۔ اگر وہ ہمیں بھی بتا دیں تو ان کی عالمانہ نوازش ہوگی۔

گگمردوی صاحب! ”تینوں عبارتیں آپ بھی بغور ملاحظہ فرمائیں۔“ آخر ”عبارات اکابر“ کے مصنف صاحب یقیناً اتنے جاہل تو ہرگز نہیں ہوں گے کہ وہ بتانے اور بتانے کا فرق نہ جانتے ہوں۔ لہذا انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ سمجھ سوچ کر لکھا ہوگا۔ موصوف کی تینوں عبارتوں کا ماحصل یہی تو ہوا کہ ہمارے اکابر دیوبند کافر تو ضرور ہو گئے تھے لیکن انہیں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے کافر بنایا تھا کیونکہ وہ انہیں کافر بنانے پر تلے ہوئے تھے۔

گگمردوی صاحب! آپ ”عبارات اکابر“ کے مصنف کو حقیقت نفس الامری سے مطلع فرمادیں کہ ان پانچوں حضرات کو امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا اہل حق کے کسی بھی عالم نے کافر نہیں بنایا کیونکہ وہ جملہ حضرات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم تو کافروں کو مسلمان بناتے پر من جانب اللہ مامور تھے۔ ہاں ان پانچوں حضرات کو کافر بنایا تو انگریز کے وظیفوں، نذرانوں اور لقمہ ترنے، خود ان حضرات کی حرص و ہوا اور پیٹ پرستی نے۔۔۔ نیز خوفِ خدا اور خطرہ روزِ جزا سے عاری ہونے نے جس کے باعث ان پانچوں حضرات نے مقدس شجر اسلام کے اندر غیر اسلامی عقائد و نظریات کی قلمیں لگا کر اپنی ایمان جیسی متاعِ عزیز کو اپنے ہاتھوں ضائع کر دیا تھا۔۔۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اہل حق کے ہر صاحبِ نظر نے تو ازراہِ خیر خواہی مسلمانوں کو صرف یہ بتایا تھا کہ ان پانچوں میں سے کسی کے پیچھے لگ کر اسے اپنا رہنما اور پیشوا بنا کر تم بھی اپنی عاقبت برباد نہ کر لینا۔ اپنے ایمان کی دولت سے محروم نہ ہو جانا۔

خود ان حضرات کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی سمجھا بجا کر دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے رفعِ نزاع کی خاطر اپنا عقیدہ و عمل لکھوا کر ”فیصلہ ہفت مسئلہ“ کے نام سے بھیجا تو اپنے پیرومرشد کے فیصلے کی جملہ کاپیوں کو بصدِ عقیدت و

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں
گھمروں صاحب! ”عبارات اکابر“ کے مصنف کی ساری لن ترانیوں کا انتہائی
معقول جواب ہو گیا یا نہیں؟.....

اب آپ انہیں یہ بھی بتادیں کہ حضور والا
آپ تباہل عارفانہ سے کام لے رہے ہیں کیونکہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ
تعالیٰ علیہ نے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں ”المعتز المسند“ کے اندر جب پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی
فریضہ ادا کیا تھا تو اس وقت

- ☆..... ”حفظ الایمان“ کی عبارت کو منظر عام پر آئے ایک سال
- ☆..... گنگوہی صاحب کے فتوے کذب و قوی کو بارہ ۱۲ سال
- ☆..... ”براہین قاطعہ“ کو سولہ ۱۶ سال — اور
- ☆..... ”تحذیر الناس“ کو پورے تیس ۳۰ سال ہو چکے تھے۔

اس عرصے میں رد و تردید کا بازار خوب گرم رہا اور فریقین کی جانب سے
سینکڑوں کتب و رسائل اور اشتہارات منظر عام پر آئے.....

یہاں تک کہ بریلی شریف سے ساری کفریہ عبارتوں کا مجموعی رد شائع ہوا اور اس میں
سے بیس سوال منتخب کر کے ایک وفد کے ذریعے تھانوی صاحب کے پاس بھیجے گئے کہ
”ان کا اپنے قلم سے جواب دیجئے“.....

اس پر دیوبندی حضرات کے مجدد دین و ملت نے ”مجددانہ شان“ دکھاتے ہوئے
اراکین وفد سے فرمایا:-

”ایک نہ ہزار نہ معاف کیجئے میں اس فن میں جاہل ہوں اور
میرے اساتذہ بھی جاہل ہیں۔ جو شخص تم سے دریافت کرے اسے

یاد رکھنا کہ خاں رضا صاحب (محدث بریلوی) آن کی بلا جھگڑ کر نہ شیعہ ہیں تو ۱۶۱۷ء
کی ۱۶۱۸ء خاں رضا صاحب (محدث بریلوی) کے لئے ہندوستان کا کٹاؤ تھا جس نے اس کے لئے
۱۶۱۸ء میں تھانوی فتویٰ سے رجوع کر کے اور اختلافات و اشتہارات میں اللہ تعالیٰ کے
تک لہان و لہجہ کے: چنانچہ ان کے لئے ۱۶۱۸ء میں تھانوی صاحب سے رجوع
کر لیا اور ان میں سے تھانوی صاحب کی عبارت بقول خود مراد بھی ہے تھانوی صاحب
شیعہ خود بھی اہل کفر و کجیہ ہیں اس لئے میں اپنے اس فتویٰ سے رجوع
کر کے اور تھانوی صاحب اور ان کے معتقدین سے معافی کا خواستگار

تھا۔“..... ۲۶

گھمروں صاحب! آپ بغیر کسی جھجک کے ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے یہ فرمادیں کہ
تھانوی صاحب نے جو اپنی مراد ظاہر کی اگر ان کا کوئی معتقد اسے اسلامی ثابت کر سکے.....
یا اس کفریہ عبارت کے اندر اس کے علاوہ ایک بھی اسلامی پہلو ثابت کر دے تو اختر شا
جہان پوری وعدہ کرتا ہے کہ وہ اخبارات و اشتہارات کے ذریعے یہ اعلان کر دے گا کہ تھانوی
صاحب کی تکفیر میں غلطی ہو گئی تھی اور تھانوی صاحب کے معتقدین سے معافی بھی مانگ لے
گا..... اس کے بالمقابل اگر وہ تھانوی صاحب کی عبارت میں کوئی اسلامی پہلو ثابت نہ کر سکیں
تو اپنے چاروں اذنباً بآئین ذون اللہ کو کافر و مرتد مان کر اللہ تعالیٰ جل شانہ سے معافی مانگنے
اور توبہ کرنے کے لیے تیار ہو جائیں گے؟..... اگر جواب اثبات میں ہے تو تحریری وعدہ کر کے
انہام و تقسیم کی غرض سے سلامت روی کے ساتھ تحریری گفتگو شروع کر دی جائے۔ تحریروں کی
روشنی میں حقیقت چھن کر خود ہی سامنے آجائے گی۔ کیا یہ بہتر نہیں کہ انہام و تقسیم کے ذریعے
اس المناک اختلاف کے کتے کو کونوں سے نکال کر باہر پھینک دیا جائے۔ ہم ”عبارات اکابر“
کے مصنف کے تحریری وعدے کا آج سے ہی انتظار شروع کر دیتے ہیں:-

بندہ خدا!

ایک مولوی کہلاتے ہوئے کیا مصنف صاحب کو عالم آشکار میں ایسا سفید جھوٹ زیب دیتا ہے؟ جواب نہ دیں تھانوی صاحب! خاموش رہنے کی قسم کھائیں دیوبندیوں کے حکیم الامت صاحب! اپنے اوپر سے کفر کا الزام ہٹانے کی جانب ایک قدم بھی نہ بڑھائیں مصنف کے مجدد دین و ملت صاحب! اور مورد الزام قرار پائیں ان کے نزدیک امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ! کیا سر بازار انصاف کا یوں خون کر کے اور حقائق کا منہ چڑا کر دیانت و صداقت کے تقاضے پورے کیے جا رہے ہیں؟ ... لکھنؤی صاحب! جب جواب مانگتے پر تھانوی صاحب نے اراکین وفد سے برملا کہہ دیا کہ:

”جواب دینے سے میرا ایک دفعہ نہیں ہزار بار انکار ہے۔ میں ہرگز جواب نہیں دوں گا مجھ پر ثابت بھی ہو جائے کہ میں غلطی پر ہوں تب بھی جواب نہیں دوں گا۔ میں روحانی مریض سہی لیکن ایمانی دوائی پینے سے میرا صاف انکار ہے کیونکہ جس کبیل کو میں پکڑ بیٹھا ہوں اسے چھوڑنے کی اب لاکھ کوشش بھی کروں تب بھی وہ کبیل مجھے نہیں چھوڑے گا۔ اب میری مرضی کا دخل ختم ہو چکا ہے کیونکہ میں کسی کے ہاتھوں میں اب چوں قلم در دست کاتب ہو کر رہ گیا ہوں۔ چونکہ میں تخریب دین و افتراق بین المسلمین پر مامور ہوں لہذا جیتے جی باطل پر قائم رہوں گا اور اسی کو حق و صداقت بتاتا رہوں گا۔ اور بس۔

لکھنؤی صاحب! ملاحظہ فرمایا آپ نے مصنف صاحب کا آنکھیں بند کرنا کہ تھانوی صاحب سے تو کچھ کہا ہی نہیں گیا تھا۔ ان سے تو پوچھا ہی کچھ نہ تھا۔ سینکڑوں واقعات اور رسائل و اشتہارات کے مضمون چھوڑتے ہوئے ذرا انہیں مجدد

ہدایت کرو طبیب کا کام نسخہ لکھ دینا ہے یہ نہیں کہ مریض کی گردن پر چھری رکھ دے کہ تو پی لے تم اپنی امت میں سب کو داخل کر لو۔ میں جو کچھ کہہ چکا ہوں کہوں گا۔ مجھے معقول بھی کر دیجئے تو وہی کہے جاؤں گا۔ مجھے معاف کیجئے آپ جیتے میں ہارا“ ۷۷

جب تھانوی صاحب نے یوں جان چھڑائی اور تحریری جواب مطلقاً نہ دیا تو ☆..... آستانہ عالیہ بریلی شریف کی جانب سے وہی سوالات ان کے پاس بذریعہ رجسٹری بھیجے گئے۔ موصوف نے رجسٹری واپس کر دی.....

☆..... تیسری مرتبہ چھاپ کر رسالہ ”ظفر الدین الجید“ (۱۳۲۳ھ) کی صورت میں ان کے سامنے پیش کئے لیکن دیوبندیوں کے حکیم الامت اور مجدد دین و ملت کا منہ ذرا نہ کھلا اور نہ قلم حرکت میں آیا.....

☆..... چوتھی مرتبہ رسالہ ”بطش غیب“ (۱۳۲۳ھ) کی صورت میں تھانوی صاحب کو جواب دینے کی جانب متوجہ کیا اور دیگر تمام علمائے دیوبند کو دعوت دی کہ اپنے ان کفریات کے بارے میں بولے اگر آپ کے پاس ان خرافات کی تاویلیں ہیں تو ان تاویلات کے چہرے کھولے ان علمی و ایمانی مطالبوں کا جواب سرکار کے پالتو پھوروں نے گالیوں اور مخالفتوں سے دیا جب کہ حکیم الامت سے شیخ الہند تک کہلانے والوں پر خاموشی اور خود فراموشی کا عالم طاری رہا یعنی وہی یا مظہر العجائب کہ جواب مع مجیب غائب

لکھنؤی صاحب! غور تو فرمائیے کہ ان حالات میں جواب کس کے گھر سے یا کون سے بازار سے منگوایا جاتا؟ اب ذرا مصنف صاحب سے پوچھیے تو سہی کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا تھانوی صاحب سے کچھ پوچھا ہی نہیں تھا؟

۷۷ ”وقعات السنان“ مطبوعہ لاہور ص ۶۷

نوٹ: خلیفہ بک ڈپوٹری کے نے اکتوبر ۱۹۹۹ء میں ”وقعات السنان الی حلق بط السنان“ کا نیا ایڈیشن شائع فرمایا۔ (رفیق)

ماتے حاضرہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وہ مکتوب گرامی تو سنا دیجئے جو انہوں نے اسی نزاع کو رفع کرنے کی خاطر ۱۳۲۹ھ میں تھانوی صاحب کے لیے بھیجا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
تُحَمِّدُهُ وَتُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ
السَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتْبَعَ الْهَدٰی

فقیر بارگاہ عزیز قدیر عظمیٰ جلالہ تو مدتوں سے آپ کو دعوت دے رہا ہے۔ اب حسب معاہدہ و قرار داد مراد آباد پھر محرک ہے کہ آپ کو سوالات و مواخذات ”حسام الحرمین“ کی جوابدہی کو آمادہ ہوں۔

میں اور آپ جو کچھ کہیں، لکھ کر کہیں اور سنا دیں اور وہ دستخطی پرچہ اسی وقت فریق مقابل کو دیتے جائیں کہ فریقین میں سے کسی کو کہہ کر بدکنے کی گنجائش نہ رہے۔

معاہدے میں ۲۷ صفر مناظرہ کے لیے مقرر ہوئی ہے آج ۱۵ کو اس کی خبر مجھ کو ملی۔ گیارہ روز کی مہلت کافی ہے۔ وہاں بات ہی کتنی ہے؟ اسی قدر کہ یہ کلمات شان اقدس حضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں توہین ہیں یا نہیں؟ یہ بعونہ تعالیٰ دو منٹ میں اہل ایمان پر ظاہر ہو سکتا ہے لہذا فقیر اس عظیم ذوالعرش کی قدرت و رحمت پر توکل کر کے یہی ۲۷ صفر روز جان افروز دو شنبہ اس کے لئے مقرر کرتا ہے۔ آپ فوراً قبول کی تحریر مہری دستخطی روانہ کریں اور ۲۷ صفر کی صبح مراد آباد میں ہوں..... اور آپ بالذات اس امر اعظم کو طے کر لیں۔

اپنے دل کی جیسی آپ بتا سکیں گے وکیل کیا بتائے گا؟ عاقل، بالغ،

مستطیع، غیر محذرہ کی توکیل کیوں منظور ہو؟ معہذا یہ معاملہ کفر و اسلام کا ہے، کفر و اسلام میں وکالت کیسی؟ اگر آپ خود کسی طرح سامنے نہیں آسکتے تو وکیل ہی کا سہارا ڈھونڈیے تو یہی لکھ دیجئے، اتنا تو حسب معاہدہ آپ کو لکھنا ہی ہوگا کہ وہ آپ کا وکیل مطلق ہے۔ اس کا تمام ساختہ و پرداختہ قبول، سکوت، کھول، عدول سب آپ کا ہے۔ اور اس قدر اور بھی ضرور لکھنا ہوگا کہ اگر بعون العزیز المقدر عز جلالہ آپ کا وکیل مغلوب یا معترف یا ساکت یا قار ہو تو کفر سے توبہ علی الاعلان آپ کو کرنی اور چھاپنی ہوگی کہ توبہ میں وکالت ناممکن ہے اور علانیہ کی توبہ علانیہ لازم۔

میں عرض کرتا ہوں کہ آخر بار آپ ہی سر رہتا ہے کہ توبہ کرنی ہوئی تو آپ ہی پوچھے جائیں گے۔ پھر آپ خود ہی جس دفع اختلاف کی ہمت کیوں نہ کریں؟ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کو آپ تھے اور بات بنانے دوسرا آئے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

آپ برسوں سے ساکت اور آپ کے حواری رفع خجالت کی سعی بے حاصل کرتے ہیں آخر تاکئے؟ یہ اخیر دعوت ہے اس پر بھی آپ سامنے نہ آئے تو الحمد للہ میں فرض ہدایت ادا کر چکا آئندہ کسی کے غوغہ پر التفات نہ ہوگا۔ منوا دینا میرا کام نہیں۔ اللہ عزوجل کی قدرت میں ہے۔

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَصَلَّى اللّٰهُ

مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”وقعات السنان“ لکھ کر اڑائے اور مسئلہ علم غیب پر جتنا منہ کھولا تھا اسے ”ادخال السنان“ لکھ کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔۔۔ ”وقعات السنان“ کے اندر تھانوی صاحب سے ایک سو بیس سوال نئے تھے کہ ان کا نمبر و ارجواب دیجئے۔۔۔ ۱۳۳۰ھ سے ۱۳۶۲ھ تک بیس ۳۲ سالوں میں تھانوی صاحب سے ایک سوال کا جواب بھی نہ ہوسکا اور نہ تھانوی صاحب کا کوئی بڑے سے بڑا حمایتی ان کا جواب دے کر اپنے مجدد دین و ملت کی بگڑی بنا سکا۔ (۱)

حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تھانوی صاحب پر اتمام حجت کرتے ہوئے یہ اعلان بھی فرمایا تھا:-

”اس ایمانی معاہدہ کی طرف آپ کو دعوت ہے، جس کی ابتدا ہم خود کریں۔ ہم سچے دل سے اقرار کرتے ہیں کہ اگر آپ نے ان سب سوالات کا جدا جدا معقول جواب لکھ دیا، جس میں نہ اڑان گھائی ہو۔۔۔ نہ نمبر کترانا، نہ مکابرہ ڈھٹائی ہو۔ نہ دھوکے دے کر عوام کو چندراندہ تو ہم صاف اعلان کر دیں گے کہ خفض الایمان پر تکفیر غلط تھی اور اگر آپ ایمان سمجھ لیں کہ الزام لا جواب ہے تو خدا کو مان کر انصافاً قبول دیں کہ واقعی ”خفض الایمان“ میں آپ نے کفر لکھا ہے۔ اب مسلمان ہوتے ہیں میں سچ کہتا ہوں کہ اس

(۱) تھانوی صاحب نے ”تغیر السوان“ لکھ کر نیا پردہ ڈالنا چاہا تو شیریشہ اہل سنت، مولانا حسنت علی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (التوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۸ء) نے قہر و اجد دیان برعشیر ”بسط البنان“ لکھ کر پرزور تردید کی۔ یہ رد کئی بار شائع ہوا۔ (رفیق)

تَعَالٰی عَلٰی سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ
اَجْمَعِينَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

۱۵ صفر المظفر ۱۳۲۹ھ فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ ۲۸
چهارشنبه

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....

لکھنوی صاحب! ذرا ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے کہیے کہ وہ مذکورہ بالا خط کے ہر فقرے میں اصلی و جعلی مجدد کا فرق دیکھ لیں۔ نیز پوچھیے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تھانوی صاحب سے پوچھنے میں کوئی کسر اٹھا رہی تھی؟ لیکن تھانوی صاحب کو مرتے دم تک لب کشائی کی جرات نہ ہوئی۔۔۔ دعوت کے جواب میں قرار داد مراد آباد کی رو سے جہاں مراد آباد جانے اور مجدد برحق محدث بریلوی کے سامنے پہنچنے کی جرات نہ ہوئی وہاں گھر کے اندر بیٹھ کر بھی کوئی معقول اور اسلامی توجیہ تازیت بیان نہ کر سکے۔ جب تھانوی صاحب نے اپنی صفائی میں چودرتی ”بسط البنان“ لکھی تو سب کو معلوم ہو گیا کہ ان کے پلے ”حفظ الایمان“ کی صفائی میں کچھ بھی نہیں ہے ورنہ ان دور از کار اور نامعقول تاویلات کا سہارا کیوں لیا جاتا؟۔۔۔ تھانوی صاحب نے ”حفظ الایمان“ کی صفائی میں جو کچھ ”بسط البنان“ کے اندر لکھا اس کے پر خچے شہزادہ اعلیٰ حضرت، مفتی اعظم ہند مولانا

۲۸ ”مجدد اسلام“ مطبوعہ اڈیا، ۱۸۶۴/۱۸۸۴

- (ب) مذکورہ مکتوب پہلے رسالہ ”دافع الفساد من مراد آباد“ میں چھپا تھا۔
(ج) بعد ازیں ”انماث اخیرہ“ (۱۳۲۸ھ) کی اگلی اشاعت میں بطور ضمیمہ شائع کیا گیا تا کہ دیکھاؤ درست رہے
(د) ”انماث اخیرہ“ (۱۳۲۸ھ) کو ”رسائل رضویہ“ جلد دوم (طبع ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) ناشر مکتبہ حامدینہ لاہور) مع اس مکتوب شامل کیا گیا ملاحظہ فرمائیں اس کے صفحہ ۵۰۲ تا ۵۰۳۔
(ر) حال ہی میں اسے مسلم کتابوی لاہور نے رسالہ کی صورت میں پھر شائع کیا ہے۔ (رفیق)

اپنی زندگی میں سامنے آ کر آپ ہی یہ اختلاف مٹانے کی جانب کوئی قدم بڑھادیں۔

اس پر موصوف تو خاموش رہے اور ان کے حواریوں نے علمائے اہل سنت پر ملک کے گوشے گوشے سے گالیوں کی بارش برسانی شروع کر دی۔ آخر شہزادہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے پاس یہ گرامی نامہ بھیجا:-

بخدمت وسیع المناقب جناب مولوی اشرف علی صاحب ہدایہ اللہ تعالیٰ السّلام علی من اتبع الهدی۔

فقیر ایک فیصلہ کن مناظرہ کے لیے آپ سے ہر طرح تیار ہے۔ مسلمانانِ پادریہ کی آواز پر فوراً فوراً پادریہ چلیے اور تاریخ وقت روانگی سے سیٹھ صاحب اور فقیر کو مطلع کیجئے۔ میں بابرکات منتظر جواب ہوں۔ جھوٹے حیلے بہانے نہ بنائیے فوراً اپنی مہری و دستخطی تحریر بذریعہ رجسٹری بھیجئے اور پادریہ نہ جانا ہو وہاں کچھ زیادہ مصیبت کا سامنا ہو تو جہاں آپ کو زیادہ آسانی ہو وہاں انتظام کرائیے۔ ایک ہفتہ کی مہلت ہے۔

مناظرہ سے انکار عجز کا اقرار اور سکوت فرار پر قرار ہوگا۔ خبر شرط است۔

گدائے سجادہ رضویہ

فقیر محمد حامد رضا قادری بریلوی غفرلہ

اس دعوت مناظرہ کا حشر بھی وہی ہوا جو تھانوی صاحب شروع سے کرتے آرہے تھے

کہ مکمل خاموشی کی ٹھان لی گویا ہاں اور نہ دونوں کو جواب نہ مرد میدان اور خیر خواہ

اسلام و مسلمین بن کر مناظرہ کرنے گئے اور نہ انکار کیا۔۔۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب درہنگی کئی

روز سے اچھلتے پھرتے تھے کہ میں تھانوی صاحب کا وکیل ہوں جب تھانوی صاحب سے اس

میں آپ کی کچھ بھد نہ ہوگی بلکہ ہر عاقل کے نزدیک وقعت بڑھ جائے گی۔“ (وقعات السنن ص ۷۰) ۲۹

گلبردی صاحب! ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے پوچھتے چلیے کہ تھانوی صاحب سے کچھ پوچھا گیا تھا یا نہیں؟۔۔۔ مصنف صاحب بھی درحقیقت مجبور ہیں کہ اُسُوْنُوا فِی قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ کی طرح وہ اپنے تھانوی صاحب کی محبت و عقیدت سے سرشار ہیں۔ ان کے دماغ میں صرف ایک ہی دھن سمائی ہے کہ تھانوی صاحب نے خواہ کچھ بھی کیا لیکن امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان سے معافی مانگ لینی چاہیے تھی۔۔۔ وہ اپنے اَزْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰہ پر تنقید کرنے کا کسی کو بھی حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔۔۔ چلیے یہ بات ۱۳۳۰ھ کی تھی ۱۳۳۵ھ میں ایک صاحب دل اور بااثر مسلمان ... جمال بھائی قاسم بھائی نے کوشش کی کہ

اختلاف کا یہ کتا کنوئیں سے نکالنا بہت ضروری ہے اور مولوی خلیل احمد صاحب انٹھوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی زندگی میں اس تھنیے کی امید ہو سکتی ہے کیونکہ چاروں اکابر دیوبند سے یہ دونوں حضرات ابھی بقید حیات ہیں۔ اپنی عبارتوں کی جو توجیہ یہ بتا سکتے ہیں وہ دوسرے سے مقصود نہیں اور اور نہ اس پر آتش درجہ اعتماد کہ شاید قائل کی یہ مراد نہ ہو۔

مولوی خلیل احمد صاحب انٹھوی ان دنوں عرب میں تھے۔ وہیں ان کے پاس دعوت مناظرہ بھیجی گئی اور ہندوستان آنے کے مصارف کو ادا کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن موصوف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھانوی صاحب سے کہا گیا کہ:

توکیل کی تصدیق چاہی تو وہ مہربل ہو گئے۔ درہنگی صاحب سے وکالت نامہ دکھانے کا مطالبہ ہوا تو ان کے پاس وکیل مطلق بنانے کی مطلقاً کوئی تحریر تھانوی صاحب کی مہری دھنکی سرے سے اٹھی ہی نہیں۔ یہ ہے تھانوی صاحب اور ان کے چیلے چانٹوں کی اسلام دوستی اور حق و صداقت سے لگاؤ جس کے باعث امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی نہیں بلکہ اس دور کے ہر صاحب ایمان کو مصنف صاحب کے نزدیک ان کے تھانوی صاحب سے معافی مانگ لینی چاہیے تھی کیونکہ دنیا میں ایسی پر اسرار ہستیاں کہیں صدیوں بعد جا کر پیدا ہوتی ہیں جن کا وجود مرنے کے بعد بھی ملت اسلامیہ کے لئے مستقل درد سر ہو کر رہ جاتا ہے۔

خیر جانے دیجئے مصنف صاحب تو یہی فرمائیں گے کہ تھانوی صاحب سے ان کی مراد پوچھی ہی کب گئی تھی۔

اس کے سات سال بعد ۱۳۵۲ھ میں انجمن حزب الاحناف لاہور کے سالانہ جلسے ہو رہے تھے۔ ضروری سمجھا گیا کہ چاروں اکابر دیوبند سے تھانوی صاحب ابھی بقید حیات ہیں۔ اگر وہ بنفس نفیس تشریف لا کر اس امر کا علمی تصفیہ کر لیں تو اسلامیان ہند کی بہت بڑی پریشانی دور ہو جائے۔ تھانوی صاحب کے لاہوری معتقدین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا اور قرار یہ پایا کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلف اکبر مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور تھانوی صاحب کے درمیان مناظرہ ہو... اگر فریقین میں سے کسی کو اشد مجبوری و معذوری کا سامنا ہو جائے تو وہ کسی کو اپنا وکیل مطلق مقرر کر دے کہ جس کی فتح و شکست مؤکل کی شمار ہوگی... چنانچہ حزب الاحناف لاہور کی جانب سے تھانوی صاحب کو ۲۵ نومبر ۱۹۳۳ء کو دن کے دس بجے یہ جوابی تار ارسال کیا گیا۔

جناب مولوی اشرف علی صاحب!

تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر

حزب الاحناف کے جلسے ہو رہے ہیں علمائے اہلسنت کے تمام اکابر کا اجتماع ہے۔ اس بہتر موقع پر آپ تشریف لا کر "حفظ الایمان" "براہین قاطعہ" "تحذیر الناس" کی عبارات کے متعلق تصفیہ کر لیں تاکہ تمام ہندوستان کی پریشان کن جنگ کا خاتمہ ہو جائے۔ اس موقع پر تکلیف سرفگوار کرنا آپ پر لازم ہے۔ تار کے ذریعے سے تشریف آوری کے وقت سے اطلاع دیجئے۔ آپ کا سیکنڈ کلاس کا کرایہ تشریف لانے پر پیش کیا جائے گا اور ہر ممکن آسائش پہنچائی جائے گی۔ اس

تھانوی صاحب جب اس تار کا جواب بھی حسبِ عادت ہضم فرما گئے تو ان کے لاہوری معتقدین کو بھی بڑا صدمہ پہنچا کہ ہمارے مجدد دین و ملت صاحب کو یہ ہو کیا گیا ہے۔ تھانوی صاحب کو اپنی اور اپنے اکابر کی کفریہ عبارتوں میں اسلامی پہلو کی کوئی رقم بھی نظر آتی تو ضرور الٰہ حق کے سامنے آتے۔ سامنے آنے میں انہیں رسوائی کے سوا اور کچھ نظر آتا نہیں تھا اس لیے نہ انہوں نے کبھی روبرو ہونا تھا اور نہ ہوئے،... ہاں اپنے چند چیلے چانٹے اور سرکاری خرچ پر پالے ہوئے پھورے بھیج دیئے تھے جن کی موجودگی میں فریقین نے مناظرہ کے لئے ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ کا روز مقرر کیا اور قبلہ ابو البرکات سید احمد ناظم انجمن حزب الاحناف لاہور نے تھانوی صاحب کے نام اطلاع کا خط بھیجا جس کے آخری چند جملے یہ ہیں:-

"کاش! ہماری مخلصانہ معروض قبول فرما کر آپ لاہور تشریف لے آتے

اور عبارات "حفظ الایمان" "براہین قاطعہ" "تحذیر الناس" کے متعلق

اکابر اہلسنت سے (جو جلسہ میں رونق افروز تھے) فیصلہ کن مناظرہ ہو کر

☆ تھانوی صاحب اپنے تھانہ بھون کی زمین سے کیوں چٹ گئے تھے؟
☆ کیوں لاہور آنے اور تصفیہ کر لینے کی ضرورت محسوس نہ فرمائی؟
☆ ساتھ ہی یہ بھی دریافت کر لیجئے کہ تشریف نہ لانے کی صورت میں کسی کو اپنا وکیل مطلق بنا کر کیوں نہ بھیجا؟

☆ رفع اختلاف و دفع نزاع کی خاطر نہ خود تشریف لانا اور نہ کسی کو وکیل مطلق بنانا آخر اس ستم ظریفی کا جیتے جی سلسلہ جاری رکھنا کس وجہ سے تھا؟
☆ صورت حال واضح ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے خلفاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم تھانوی صاحب کو آخری دم تک لب کشائی کی دعوت دیتے رہے ... رو برو ہو کر کہنے اور سننے کے لیے بلاتے رہے لیکن تھانوی صاحب اس دنیا کو خیر باد کہہ گئے لیکن کبھی علمائے اہلسنت کے سامنے آنے کی جرات نہیں کی۔

گلکھروی صاحب! ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے پھر پوچھیے کہ حضور والا! امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے خلفاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے تھانوی صاحب سے عبارت ”حفظ الایمان“ کے سلسلے میں کبھی کچھ پوچھا تھا یا نہیں؟ — خیر وہ انکار کریں یا اقرار لیکن اس کتاب کو پڑھنے والے قارئین کو ضرور یہ شعر یاد آ گیا ہوگا۔

کل جملک حجام سب کا مونڈتا پھرنا تھا سر
آج اس کوچے میں اس کی بھی حجامت ہو گئی

تکفیر بند کرو

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے عقیدہ خاتمیت میں نانوتوی صاحب کی طرح ترمیم کی — انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخانہ عبارتیں لکھیں — اور سب پر طرہ یہ کہ نبوت کا دعویٰ کر دیا جس کے باعث وہ کافر و مرتد ہو کر اسلام کے دائرے سے باہر نکل گئے۔ انہیں کافر سمجھنا ہر واقف مسلمان پر لازم ہے کیونکہ جو انہیں کافر نہ سمجھے یا کافر و

تصفیہ ہو جانا اور فریقین سے حقارت و منافرت کا سلسلہ منقطع ہو کر اس عالمگیر مذہبی جنگ کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جانا۔
ہمیں آپ کے اس موقع پر سکوت و بے اعتنائی اختیار کرنے کا نہ صرف افسوس بلکہ بے حد رنج ہے۔ خیر اب چونکہ آپ کے معتقدین و عمائدین شہر لاہور نیز جناب محترم سردار محمد خان صاحب ناظم جمعیت الاحناف نے مولوی محمد منظور صاحب سنبھلی اور مولوی ابوالقاسم صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور مولوی عبدالحنان صاحب لاہوری کے سامنے ان کے مشورہ سے فیصلہ کن مناظرہ کے لئے ۱۵ شوال ۱۳۵۲ھ کا دن مقرر فرما کر فریقین کے اتفاق سے اپنے دستخطوں سے ہمیں تحریر عطا فرمادی ہے، جو عنقریب شائع کر دی جائے گی۔
ہم امید کرتے ہیں کہ اس تاریخ پر آپ بنفس نفیس لاہور قدم رنجہ فرما کر فیصلہ کن مناظرہ کر کے ہمیشہ کے لئے فریقین میں صلح و آشتی اور محبت و اتحاد کی بنیاد قائم کر دیں گے۔

فقط

جواب کا منتظر

فقیر قادری ابوالبرکات سید احمد - ۳۲

گلکھروی صاحب! مولانا حامد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کئی روز پہلے ہی لاہور تشریف لے آئے تھے اور اہلسنت کے اکثر علمائے کرام بھی تشریف فرما ہوئے لیکن ”عبارات اکابر“ کے مصنف سے پوچھیے کہ:

۳۲ ”آخری قطعی فیصلہ کن لاہور کا مناظرہ“ مطبوعہ لاہور ص ۶
نوٹ: اس فکری تصادم کے حوالہ سے کئی کتب و رسائل شائع کئے گئے جن میں سے چند کے اس کتاب میں مذکور مسطور ہیں: ان کے علاوہ بھی کئی رسائل تھے مثلاً ”ظفر الدین المجید“ (۱۳۳۳ھ) ”بطش فیہ“ (۱۳۳۳ھ) ”ظفر الدین الطیب“ ”الغلاب الجہنمی“ ”نیاز نامہ“ ”کشف راز“ ”کین کش پنج پچ بر ایڈیٹر اے ایچ“ ”بارش تنگی بر قضاے در“ ”بہک“ ”پیکان جاگنداز بر جان کذب ان بے نیاز“ ”الکادوی فی العادوی والحادوی“ (۱۳۳۵ھ) ”الکرم القاسم للہام القاسم“ (۱۳۳۵ھ) ”اشد الباس علی عابد الخناس“ (۱۳۳۸ھ) ”نور الفرقان بین جند اللہ و احزاب الشیطان“ (۱۳۳۵ھ) ”الموت الاخر علی کل انفس الکفر“ (۱۳۳۵ھ) ”رأب الہدی علی الہدی الاشیقی المفسد“ (۱۳۳۵ھ) ”موت کا پیغام دیوبندیوں کے نام“ ”اتحاد حرمین کا تازہ عظیم“ (۱۳۳۸ھ) ”پردہ دری امرتسری“ (۱۳۳۸ھ) وغیرہ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ان پرانی تاریخی تصنیفات و اشتہارات کی اشاعت نو کی جائے انہیں جدید انداز میں مرتب کیا جائے یا ان کی بہترین عکسی نقول چھاپی جائیں تاکہ گراں قدر تاریخی ریکارڈ محفوظ رکھا جاسکے نیز ان کی روشنی میں نئی کتب و رسائل تصنیف و تالیف کیے جائیں اور مبتدعین کے نئے مقالاتوں کے بروقت کماحقہ پردے چاک کئے جاسکیں۔ (رفیق)

مسلمان پیدا ہی نہیں ہوا اور نہ قیامت تک ایسا پیدا ہو سکتا ہے جس کو دیوبندی معیار کے مطابق مسلمان کہا جاسکے (۲) دریں حالات یہ نعرہ بازی ایک سیاسی مغالطہ اور دھاندلی سے زیادہ کچھ نہیں۔

کافر کو کافر کہنے سے بظاہر کسی مسلمان کو کچھ ملتا نہیں ہے لیکن اس کا کفر واضح ہو جانے پر اہل علم کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کا کفر ظاہر کریں اور مسلمانوں کو اس کے شر سے بچائیں تاکہ بے خبری میں اس کے پیچھے لگ کر وہ اپنے ایمان کی دولت ضائع نہ کر بیٹھیں۔

اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی میں راہ کفر اختیار کرنے والوں کو ظاہر کرنا اور مسلمانوں کو ان کے پیچھے لگنے سے روکنا صاحبان علم کے لیے ایسے مواقع پر ضروری ہو جاتا ہے۔ اس مسرت کے لحاظ سے کافروں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

(۱) پہلا طبقہ کھلے کافروں، غیر مسلموں کا ہے جو اپنے آپ کو یہودی، عیسائی، ہندو اور سکھ وغیرہ کہتے ہیں۔ عام مسلمان بھی ان کے بہکانے سے اسلام کو نہیں چھوڑتے اور ان کی چکنی چڑی باتوں میں نہیں آتے۔ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰہ

(۲) دوسرا طبقہ ان جاہل مسلمانوں کا ہے جن میں سے کوئی فرد اپنی جہالت کے باعث ایسا عقیدہ رکھے جس کے باعث وہ اسلام کے دائرے سے نکل گیا ہو۔ اس کی مسرت بھی اتنی زیادہ نہیں کیونکہ اس کی جہالت کے باعث دوسرے مسلمان کب اس کے پیچھے لگنا پسند کریں گے؟

(۲) ان حضرات کی تکفیر مسلمین کی خصلت اور مسلمانوں کو بات بے بات کافر و مشرک بتانے کی عادت کے نمونے ملاحظہ کرنے ہوں تو دیکھئے:

۱۔ ”رد شہاب ثاقب“ (مطبوعہ لاہور) صفحہ ۱۶۱-۱۶۳

۲۔ ”مشعل راہ“ (مطبوعہ لاہور) صفحہ ۳۵۳-۳۵۷ (رفیق)

دجال کہنے میں توقف کرے وہ خود بھی کافر ہے۔ یہ ایسی بات ہے جس پر مسلمان کہلانے والے ہر فرقے کے علماء متفق ہیں کہ کافر کو کافر سمجھنا ضروری ہے اور جو اسے کافر نہ سمجھے یا کافر کہنے میں توقف کرے وہ خود کافر ہے۔ اسی طرح مسلمان کو مسلمان سمجھنا بھی ضروری ہے اور جو اسے کافر سمجھے یا کافر کہے تو وہ خود کافر ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ایسی بات ہے جس پر تقریباً تمام علماء متفق ہیں۔ (۱)

تکفیر بند کرو یا کسی کو کافر نہ کہو کے نعرے لگانا سیاسی چال ہے جس کا دین سے کوئی تعلق واسطہ نہیں کیونکہ اسلام کے دائرے میں آنے اور اس سے نکلنے کے راستے کھلے ہوئے ہیں۔ جس طرح کوئی یہودی، عیسائی، ہندو یا سکھ آج مسلمان ہو جائے تو اسے ضرور مسلمان کہا جائے گا اور اس کی پچھلی غیر اسلامی زندگی کو اب نہیں دیکھا جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان کہلاتے ہوئے کوئی کفریہ عقیدہ مرزائے قادیان کی طرح اختیار کر لے تو اسے ضرور کافر سمجھا اور کہا جائے گا۔ اب اس کی پہلی زندگی اس کے باقی عقائد و نظریات اور اسلام کے مطابق اس کے دیگر اقوال و افعال کو نہیں دیکھا جائے گا۔ جب تک وہ اپنی کفریہ بات سے توبہ نہ کرے اسے ضرور کافر سمجھنا چاہیے اور جب تک کسی سے کوئی کفریہ بات واقع نہ ہو اس وقت تک اسے مسلمان سمجھنا چاہیے۔

کسی کو کافر نہ کہو کا نعرہ لگانے والے درحقیقت اسلام اور کفر کا امتیاز اٹھاتا ... اور ایمان کی خصوصیت کو مٹاتا چاہتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی اسلام کا دعویٰ کرنے والے ہزاروں افراد کو کافر، مشرک کہتے ہیں۔ خود دیوبندی حضرات ہی کو لیجئے کہ ان کے نزدیک جو باتیں کفر و مشرک ہیں اور جن کاموں کے کرنے والوں کو وہ کافر و مشرک شمار کرتے ہیں اگر اس فہرست کو سامنے رکھا جائے تو یہی معلوم ہوگا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک اس دنیا میں کوئی

(۱) اس مسئلہ کی جامع علمی تحقیق ”الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوہابیہ“ (مطبوعہ مراد آباد بھارت) صفحہ ۵۶-۵۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔ (رفیق)

(۳)۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو مسلمانوں میں صاحبانِ علم و عرفان کہلاتے اور کتنے ہی لوگ ان کی پیروی کرتے ہوں۔ اگر ایسے حضرات میں سے بدقسمتی سے کوئی۔ مرزائے قادیان کی طرح راہِ کفر اختیار کر لے تو اہل علم پر عند اللہ فرض عائد ہوتا ہے کہ پوری مستعدی سے اس کے کفریات کو واضح کر کے مسلمانوں کو اس کے پیچھے لگنے سے بچائیں۔ اگر علماء اس کی بے راہ روی کو واضح نہیں کریں گے تو گمراہ ہونے والے مسلمانوں کا وبال ایسے علماء پر بھی پڑے گا۔

☆..... امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "المستند المستند" کے اندر ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں ایسے ہی پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا۔

☆..... ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء میں علمائے حرمین شریفین نے ان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوے کی زبردست تصدیق کی اور تائید میں زوردار تقریظیں لکھیں۔

☆..... متحدہ ہندوستان کے دو سو اڑسٹھ ۲۶۸ علمائے کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم نے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذکورہ فتوے سے اتفاق کیا۔

☆..... علمائے حرمین کی تقریظوں کے مجموعے کا نام "حسام الحرمین" اور علمائے ہند کی تصدیقوں کا مجموعہ "الصوارم الہندیہ" کے نام سے موجود ہے۔

مذکورہ پانچ حضرات میں مرزائے قادیان کے سوا باقی چار حضرات دیوبندی اکابر ہیں یعنی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی، مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی، مولوی خلیل احمد صاحب ایشٹھوی اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی۔

علمائے دیوبند یہ کہتے ہیں کہ:

"مولوی احمد رضا خاں نے ہمارے اکابر کی جن عبارتوں کے باعث ان کی تکفیر کی ہے وہ ہرگز کفریہ نہیں ہیں بلکہ انہیں من مانے مفہوم و مطالب کا لباس پہنا کر تکفیر کی گئی ہے۔"

اگر علمائے دیوبند کی یہ محض الزام تراشی اور اپنے اکابر کے کفریات پر پردہ ڈالنے کی سازش اور دھاندلی نہیں ہے تو ان عبارتوں کو آج بھی شریعتِ مطہرہ کی میزان پر تولی جاسکتا ہے۔ گزشتہ سطور میں ان کفریہ عبارتوں پر تحریری گفتگو کرنے کے متعلق ہم دو مرتبہ لکھ چکے ہیں۔ یہ راستہ انتہائی معقول ہے اور فریقین کے دلائل کی روشنی میں حق و باطل کا جو فیصلہ ہو دونوں فریق پہلے اس کے پابند کر لیے جائیں۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مجددِ ملتِ حاضرہ قدس سرہ نے پانچ حضرات کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا۔ ان میں سے قادیانی دجال کے بارے میں حکومت پاکستان نے ۷ ستمبر ۱۹۷۲ء کو امام احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فتوے کی تصدیق کرتے ہوئے اسے مرتد اور دجال قرار دے دیا۔ "عبارت اکابر" کا مصنف اور اکابرِ دیوبند کے معتقدین اگر زیادہ ہی خوش فہمی میں مبتلا ہیں تو اپنے چاروں اکابر کا معاملہ وہ بھی حکومت کے سپرد کر دیں تاکہ قوی اسبلی میں فریقین کے دلائل کی روشنی میں فیصلہ ہو جائے۔ وہاں بھی مصنف صاحب کے بارے جو ہر کھل سکتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ سب بارگاہِ رضا بھی احقاقِ حق و ابطالِ باطل کے لیے حاضر ہو جائے گا۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ

أُنِيبُ

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَالبَّاطِلَ باطِلًا وَ الْحَقَّ بِالْحَقِّ بِالصَّالِحِيْنَ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى حَبِيْبِهِ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَ عَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِيْنَ

گدائے در اولیاء

محمد عبدالحکیم خاں اختر

مجددی مظہری شاہجہانپوری

(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

”تقدیس الوکیل“ ”قادی الحرمین“ ”حسام الحرمین“ اور ”الصوارم الہندیہ“

کے سلسلہ کی تازہ کڑی



پاک و ہند کے صاحبان علم و قلم، مفتی، خطیب، نامور
اہل قلم، ادیب، علماء آئمہ، مصنفین و مؤلفین، محققین و
مترجمین، مدیر ناشرین، دانشور اور شاعر حضرات نیز
مختلف اداروں اور تنظیموں کے صدور نائب صدور ناظمین و
منتظمین حضرات کے گرانقدر تاثرات

کتاب و کتابت ختم المسلمین علی اللہ علیہ وسلم پر ایک جواب کتاب

الشریہ

جزء اللہ عدودہ بابائے

ختم النبوت

تصنیف: طیب

اہل سنت امام اہل سنت مجدد آئمہ حاضر امام وقت حاضر
اشادہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی مدظلہ العالی

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور

الصوارم الہندیہ

منہجہ تسمیہ القرآن حشمت علیہ السلام فاضلہ فاضلہ

ترتیب

مع

التحقیقات لدفع التلبیسات

از مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ فریدیہ - جال پور

مولانا محمد امجد علی صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

ایضاً ناسل بریلوی کی علمی اور اعتقادی خدمات کا اعتراف

حسام الحرمین

علی منہجہ الکفر والہین

تألیف: امجد علی صاحب دہلوی رحمتہ اللہ علیہ

ترجمہ

مبین احکام و تصدیقات اعلام

حضرت مولانا حسین رضا بریلوی

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ - لاہور

فائل ملیوی

علمائے حجاز کی نظریں

پروفیسر محمد مسعود حسد

ایم۔ سی۔ بی۔ ایچ۔ ڈی۔

ناشر

ضیاء القرآن پبلی کیشنز - لاہور

تاثرات

۱۹۷۵ء میں مکتبہ فریدی، ساہیوال والے جناب مولانا حافظ نعمت علی صاحب زید مجہ کی معرفت دوبارہ ”الصوارم الہندیہ“ نامی کتاب منظر عام پر آئی تو انہوں نے اس کا دیباچہ راقم الحروف سے لکھوایا جو کتاب کے شروع میں ستر سے زائد صفحات پر مشتمل ہے جب وہ دیباچہ انجمن رضائے مصطفیٰ، چنیوٹ کے ناظم اعلیٰ جناب محمد اسماعیل راجپوت صاحب نے پڑھا تو انہوں نے ۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو احقر کے نام خط لکھتے ہوئے اس دیباچے کے متعلق اپنے تاثرات یوں سپرد قلم کئے۔

”سلام مستون کے بعد کتاب ”الصوارم الہندیہ“ میں جناب کا تحریر کردہ پیش لفظ بغور مطالعہ کیا اور اتنا متاثر ہوا کہ مذکورہ تحریر شاتمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے شمشیر بے نیام ہے جس کے آگے ہر گستاخ کے دلائل گاجر مٹی کی طرح کٹتے نظر آرہے ہیں اور دوسری طرف اس تحریر میں ایک ایسا چیلنج اور تعاقب ہے جس طرح شیر ببر کے آگے لومڑیاں دم دبا کر راہ فرار اختیار کئے جارہی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے عام فہم انداز میں سنی عوام کو راہ حق پر گامزن کیا ہے۔ آپ کے قلم میں جہاں تلوار کی سی کاٹ ہے وہاں پر دلائل و براہین کے وہ موتی بکھرتے ہوئے نظر آرہے ہیں کہ سبحان اللہ! آپ کا قلم ادب کی رفعتوں کو چھو کر گستاخانِ مجدد برحق، امامِ اہلسنت، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پیچھے پھرے ہوئے شیر کی طرح دوڑتا۔ ایسے ایک ایک کو جن کر اور ہر بہتان تراش کے لئے یوم حساب پیدا کر دیتا ہے۔

آپ نے اس تحریر میں ”توحید“ کے نام نہاد ٹھیکے داروں کی

- ۱۔ جناب محمد اسماعیل صاحب ناظم اعلیٰ انجمن رضائے مصطفیٰ، چنیوٹ
- ۲۔ جناب مولانا اختر الہادی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
- ۳۔ جناب مولانا عنایت اللہ چشتی مدظلہ العالی، چکڑالہ ضلع میانوالی
- ۴۔ جناب مولانا محمد حنیف اختر صاحب صدر مرکزی انجمن غلامان مصطفیٰ، خانیوال
- ۵۔ جناب راجہ طاہر محمد خان بی۔ اے ایل ایل بی، ماہنامہ ”جادو“، جہلم
- ۶۔ جناب ملک محمد انور بودلہ صاحب، لیہ شہر
- ۷۔ جناب مفتی اللہ بخش اظہر صاحب چشتی (ایم اے) لاہور
- ۸۔ جناب نوید احمد شمس صاحب ماہنامہ ”المعین“، فیصل آباد
- ۹۔ جناب سید نور محمد قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ گجرات
- ۱۰۔ جناب سید وجاہت رسول قادری، نائب صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
- ۱۱۔ محترمہ قطب النساء پاشا بیگم صاحبہ مدظلہا العالی
- ۱۲۔ جناب سید ریاست علی قادری، صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی
- ۱۳۔ جناب مولانا غلام علی اوکاڑوی، شیخ التفسیر والحدیث دارالعلوم اشرف المدارس اوکاڑہ
- ۱۴۔ جناب حافظ محمد احسان الحق قادری، صدر المدینہ مرکزی دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر الاسلام، فیصل آباد
- ۱۵۔ جناب صائم علی چشتی فیصل آبادی صاحب، فیصل آباد
- ۱۶۔ جناب مفتی محمد عبدالرشید رضوی، بھنگوی، فیصل آباد
- ۱۷۔ جناب مفتی غلام سرور قادری رضوی، مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان
- ۱۸۔ جناب مفتی محمد احمد میاں، مہتمم و ناظم دارالعلوم انوار المجید دیہ النعیمیہ ٹرسٹ، کراچی
- ۱۹۔ جناب مولانا عبدالکحیم شرف قادری نقشبندی، شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور
- ۲۰۔ جناب محمد منشاء تائبش قصوری صاحب، مکتبہ اشرفیہ مرید کے (گوجرانوالہ)
- ۲۱۔ جناب مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی، ناظم اعلیٰ دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور
- ۲۲۔ جناب مفتی محمد شریف الحق امجدی، شیخ الجامعہ دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ
- ۲۳۔ (بھارت)

حضرت مولانا اختر الہادی الرضوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) نے ”الصوارم الهندیہ“ اور ”رسائل رضویہ“ جلد دوم پر راقم الحروف کے لکھے ہوئے دیباچے پڑھے تو ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو احقر کے نام نوازش نامہ لکھا۔ موصوف اس ناچیز کی تحریروں کے بڑے شیدائی تھے۔ مذکورہ محبت نامے میں ان دونوں دیباچوں کے متعلق اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرمایا تھا۔

”تاخیر کا سبب حضور کے دیباچوں کا عمیق مطالعہ ہے۔
پڑھا، پھر پڑھا، پھر پڑھا اور اب تک جی نہیں بھرا۔ ایک ایک حرف پر زبان سے واہ اور دل سے دعا نکلتی رہی۔ سبحان اللہ! کیا زور قلم ہے؟ یہ دیباچے حقیقتاً ان تصانیف عالیہ کی شرح ہیں جن کے مطالعے کے بغیر ایک عام قاری ان کی مقصدیت نہیں سمجھ سکتا۔ کاش کہ ہم غریبے اہل سنت کو (جن کے ہاں اچھے لکھنے والوں کا قلم ہے) آپ جیسے دو چار لکھنے والے اور مل جاتے۔ بلاشبہ آپ پاکستان کے ارشد القادری ہیں اور یہ الفاظ لکھتے وقت میرا سر فخر سے بلند ہے“

انسوس کہ حضور نے تامل اپنے دیباچے، مقدمات اور مقالات کیجا کر کے احقر کو عنایت نہیں فرمائے تاکہ احقر بھی اپنے دل کے حوصلے نکال سکے۔ مولیٰ تعالیٰ حضور کو مذہب حقہ اہل سنت و جماعت کے لئے تادیر زندہ سلامت رکھے اور جملہ افکار و حوادث سے محفوظ و مامون فرمائے۔“

بیہود الزام تراشیوں اور بتائوں کو فضائے آسمانی میں ریزہ ریزہ کر کے بکھیر دیا ہے، خصوصاً آپ نے سرفراز گھمڑی کا خوب پوسٹ مارٹم کیا ہے اور اس کی بددیانتی کا ایسا نوٹس لیا ہے کہ قلم کی عصمت کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے اس تحریر میں موجود حالات اور دور حاضر کے تقاضوں کے پیش نظر ایک اہل قلم کا کردار اس خوبی سے سرانجام دیا ہے کہ ہر سنی کا سر فخر سے بلند ہے لہذا بندہ ان حقیر سے جذبات اور احساسات کے ذریعے آپ کی خدمت میں ہدیہ تحریک پیش کرتا ہے اور یہ عرض کئے بغیر نہیں رہ سکا کہ۔ ع

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اور ساتھ ہی بندہ آپ کے قلم کی جولانیوں اور روانیوں کے لئے بارگاہ الہی میں دعاگو ہے کہ رب محمد جل جلالہ و صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے قلم کو مزید قوت اور قوت عطا فرمائے۔ آپ کی ذات سنیوں کے لئے باعث فخر ہے اور آپ کا قلم جانفین اہل سنت کے لئے شمشیر بے نیام ہے۔ لہذا بندہ کے ان حقیر سے جذبات کو بطور تحریک قبول فرمائیں اور اپنے قلمی جہاد کو اسی طرح جاری رکھیں۔ خداوند کریم آپ کا حامی و ناصر ہو۔
فقط والسلام

طالب دعائے محمد اسماعیل راجپوت

جماعت کو ایک ارشد القادری، اختر شاہجہان پوری کے لباس میں
مرحمت فرما دیا ہے۔

تحریر میں سادگی کے ساتھ وہی با نگیں ہے۔ الفاظ کا ایسا
رکھ رکھاؤ جیسے موتی جڑ دئے ہوں۔ ان دونوں دیباچوں میں
حضرت علامہ موصوف اپنی پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہیں۔
اگر اب بھی ہم انہیں رئیس التحریر اور امام القلم تسلیم نہ کریں
تو یہ حضرت قبلہ کے ساتھ زیادتی ہو گی۔ مولیٰ تعالیٰ انہیں
خدمت دین متین اور مجھ سے لوگوں کی رہبری کے لئے تادیر
زندہ سلامت رکھے آمین۔

”الصوارم الهندیہ“ کے مذکورہ دیباچے کو ۱۳۰۷ھ میں مصری شاہ لاہور کے
ادارہ غوغیہ رضویہ نے دوسری مرتبہ ”کلمہ حق“ کے نام سے ۳۸ صفحات پر شائع کرایا۔
چکڑالہ ضلع میانوالی کے معروف و معر عالم دین حضرت مولانا عثمانیت اللہ چشتی مدظلہ
العالی نے اس کا مطالعہ کیا تو ۲۱ جون ۱۹۸۸ء کو راقم الحروف کے نام مکتوب محبت لکھتے
ہوئے کلمہ حق کے بارے میں یوں اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔

”رمضان المبارک میں نے دریائے سندھ کے کنارے کالا
باغ میں بسر کیا۔ وہاں مجھے آپ کا رسالہ ”کلمہ حق“ مل گیا۔ میں
نے اسے کم و بیش تین چار دفعہ پڑھا۔ پہلی دفعہ سرسری۔ پھر
اس سے ذرا گہرا مطالعہ کیا اور اس کے بعد تنقیدی انداز میں
پڑھا۔ لیکن باوجود تنقیدی انداز کے مجھے کوئی ایسی بات محسوس
نہیں ہوئی ہے جسے معقولیت کی زبان میں واقعی غلطی یا کمی سے

اسی ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو مکتوبی حضرت مولانا اختر الحامدی رضوی رحمۃ
اللہ علیہ نے مکتبہ حامدیہ والے مولانا انوار الاسلام صاحب کے لئے بھی مذکورہ دونوں
دیباچوں کو پڑھ کر خط لکھا کیونکہ یہ ناچیز ۱۹۷۲ء کے اوائل میں مرکزی مجلس ”رضا“ لاہور
سے نکل کر مکتبہ حامدیہ سے منسلک ہو گیا تھا۔ مولانا انوار الاسلام صاحب سے ۱۹۷۵ء
کے آخر میں ”من تو شدم تو من شدی“ والا معاملہ تھا۔ ”رسائل رضویہ“ جلد دوم کو
چھپوانے والے یہی بزرگ تھے۔ اور ان کے کہنے پر ہی اس ناچیز نے ”الصوارم الهندیہ“ کا
دیباچہ لکھا تھا جو ۱۹۸۷ء میں علیحدہ کتاب کی صورت میں کچھ اضافوں کے ساتھ ۳۸
صفحات پر شائع ہوا تھا۔ موصوف کے مجبور کرنے پر ہی اس ناچیز نے ”جواہر البحار“ کی
پہلی جلد کا ترجمہ کیا جس کو انہوں نے ۱۹۷۳ء میں شائع کروا دیا تھا۔ مجھ سے پہلے
مولانا غلام رسول رضوی مدظلہ العالی نے ”جواہر البحار“ کی پہلی جلد کا ترجمہ کیا تھا جس
کی مولانا انور الاسلام صاحب نے کتابت کراہی تھی لیکن بعض علمائے کرام نے انہیں
مشورہ دیا کہ ”یہ ترجمہ ایک کوڑی کا بھی نہیں ہے اور رقم ضائع جائے گی۔“ موصوف
کے پاس وہ ترجمہ محفوظ ہے اور اس کے بعد احقر سے پہلی جلد کا ترجمہ کرایا اور
چھپوایا تھا۔ خیر حضرت مولانا اختر الحامدی صاحب نے تحریر فرمایا:۔۔۔

اس کتاب (”رسائل رضویہ“ جلد دوم) کے ساتھ حضرت
علامہ مدظلہ نے ”الصوارم الهندیہ“ شائع کردہ مکتبہ فریدیہ ”ساہیوال
کی ایک جلد بھی ارسال فرمائی۔ ان دونوں پر حضرت موصوف
کے مرقومہ دیباچے پڑھ کر طبیعت باغ باغ ہو گئی۔ دیباچے کیا
ہیں کتاب کی شرح ہیں۔ ایک ایک حرف پرواہ واہ زبان سے ادا
ہوتا رہا اور دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ میں بلا مبالغہ یہ کہنے میں
حق بجانب ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ نے ہم پاکستان کے اہل سنت و

تعبیر کیا جاسکے۔ بلکہ میں تو یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ رسالہ دیوبندی وہابی اور سنی بریلوی اختلاف کو سمجھنے کے لئے بنیادی پتھر ہے اور اس سلسلے میں معلوماتی نقطہ نظر سے ایک بڑا معلوماتی شاہکار ہے۔

میرے جیسے وسیع المطالعہ انسان کے لئے جس کی پوری عمر اس جھیلے میں بسر ہوئی، بڑے بڑے علماء کرام و اساتذہ سے استفادہ کیا اور اپنے کو اس سلسلہ اختلافات کا سکالر خیال کر رہا تھا لیکن آپ کے بعض معلوماتی نکات نے حیران کر کے بٹھا دیا اور اپنی معلوماتی پوزیشن پر نظر ثانی کے لئے مجبور ہوا مثلاً آپ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کے متعلق جو معلومات فراہم کی ہیں انہیں معلوماتی شہکار سے تعبیر کیا جائے تو بیجا نہ ہو گا۔ اللہم زد فرد۔

البتہ ادارہ فوجیہ جس نے اس کی پرنٹ و اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اس نے بڑا قلم روا رکھا۔ کاغذ تو خیر جیسا ہے قیمت ہے مگر قلم ناروا حد تک ہاریک استعمال کیا گیا ہے اور پرنٹ نے تو خد کردی۔ صفحات کے صفحات پرنٹ سے اڑ گئے اور اس صورت حال نے ایک مخلص قاری کے لئے بڑی مشکلات پیدا کردی ہیں مثلاً بلا تشبیہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک چور کو گندے مندرے محبت سے پہنا دیئے جائیں تو بظاہر اس کا حسن و جمال یقیناً متاثر ہو گا۔ یہی سلوک ”کلمہ حق“ کے ساتھ روا رکھا گیا ہے جو یقیناً ناجائز و ناروا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ تسامحات کی نشاندہی کی جاسکتی ہے مگر مجموعی نقطہ نگاہ سے ”کلمہ حق“ ایک شاہکار ہے جو اپنے مصنف کی علمی وسعت کا منہ بولا ثبوت ہے۔

اللہم زد فرد۔

۵

برادر محترم عزیزم عبدالستار طاہر سلمہ نے حضرت مولانا محمد حنیف اختر صاحب کے لئے ادارہ فوجیہ کی شائع کردہ کتاب ”کلمہ حق“ بھیجی جو ۲۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ موصوف نے پوری کتاب کو بغور پڑھا اور پھر ۳ اگست ۱۹۸۸ء کو عبدالستار طاہر صاحب کے نام مکتوب محبت کے اندر کتاب سے متعلقہ اپنے تاثرات یوں بیان فرمائے۔

”بدرہ نے فاضل شبیر“ حضرت قبلہ علامہ اختر شاہ جہان پوری صاحب مدظلہ کی عظیم تصنیف ”کلمہ حق“ کا اول سے آخر تک بالا ستیاب مطالعہ کیا۔ آپ نے زبردست محنت سے اس کتاب کو عام فہم انداز میں تحریر کر کے عوام الناس پر ایک احسان عظیم فرمایا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں دلائل قاطعہ و براہین واضحہ کے ساتھ مخالفین کی جس انداز میں سرکوبی فرمائی ہے وہ نقطہ آپ ہی کا حصہ ہے اور اس پر آپ بجا طور پر ہدیہ تحریک کے مستحق ہیں۔ اس کتاب کا اگر تعصب سے بالاتر ہو کر مطالعہ کیا جائے تو ضرور راہ ہدایت نصیب ہو جائے گی اور اگر کوئی ایسا فرد اس کا گہری نظر سے مطالعہ کرے تو وہ ہرگز مخالفین کے دام تزییر میں نہیں پھنسے گا بلکہ ان کو مسکت و دندان شکن جوابات دے سکے گا۔ یہ کتاب حق و باطل کو پرکھنے کا ایک بہترین آلہ ہے اور ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کے مختلف زبانوں (انگریزی، عربی وغیرہ) میں ترجمے کر کے پوری دنیا میں پھیلا دیا جائے۔ آخر میں دعا گو ہوں کہ مولائے کریم فاضل مصنف کی اس محنت کو قبول

علیہ وسلم کے صدقے آپ کو ایسے بابرکت اور باعث سعادت کام کی زیادہ سے زیادہ توفیق بخشے اور باقی حضرات کو آپ کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت عطا فرمائے۔ ”کلمہ حق“ لاجواب کتاب ہے جس میں قاری کی معلومات میں اضافہ اور ایمان کی تازگی کے ساتھ ساتھ ادبی چاشنی بھی ملتی ہے اور قاری کتاب ختم کر کے ہی دم لیتا ہے۔

آپ کے کتب احادیث کے تراجم کو دیکھ کر یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ آپ نے سینوں کے موجودہ علماء کی کمی ہوئی ساک پھر جوڑ دی ہے۔ آپ اپنی مطبوعہ و غیر مطبوعہ کتب کی مکمل فہرست مرکزی مجلس امام اعظم کی کتب کے آخر میں چھپوایا کریں تاکہ سنی احباب کو پتہ چلے۔ یہ ذاتی تشیر نہیں ہے بلکہ مسلک حق کی خدمت ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی جملہ کتب منظر عام پر آجائیں۔ آمین۔

۷

یہ شہر میں رہنے والے ملک محمد انور بولدہ صاحب جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات تین جلدوں میں لکھ رہے ہیں، انہوں نے ”کلمہ حق“ نامی مقالہ پڑھا تو ۳۰ اگست ۱۹۸۸ء کو احقر کے نام مکتوب محبت لکھتے ہوئے ”کلمہ حق“ کے بارے میں اپنے تاثرات یوں تحریر فرمائے تھے۔

”کلمہ حق مجموعی طور پر اپنے موضوع پر پہلی اور آخری کتاب ہے۔ بلاشبہ اہل سنت کے لڑچکر میں قابل قدر اضافہ ہے۔ یہ بہت ہی خوب لکھی گئی ہے اور قاری کے سامنے

فرمائے۔ آمین۔

دعا گو: محمد حنیف اختر
صدر مرکزی انجمن غلامان مصطفیٰ خاندان

۶

جہلم شہر کی جماعت اہل سنت تنظیم کے ناظم نشر و اشاعت اور ماہنامہ ”جادو“ جہلم والے راجہ طاہر محمد خان بی اے ایل ایل بی نے جب ادارہ غوثیہ رضویہ لاہور کا ۳۸ صفحات پر شائع کردہ مقالہ ”کلمہ حق“ پڑھا تو ۲۷ اگست ۱۹۸۸ء کو راقم الحروف کے نام خط لکھتے ہوئے اپنے تاثرات یوں سپرد قلم کئے ہیں۔

حضرت! میں اس بارے میں کیا عرض کروں کہ چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوگی آپ نے نہ صرف مخالفین پر گرفت کی ہے بلکہ ناکوں پہنے چوہائے ہیں۔ پھر ایسے موضوعات کی کتب خشک محسوس ہوتی ہیں مگر ”کلمہ حق“ پڑھنی شروع کریں تو چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا جب تک کہ ختم نہ کر ل جائے۔ میں نے یہ کتاب اکثر دوستوں کو دی اور سب نے بہت ہی تعریف کی۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ آپ پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کا خصوصی کرم ہے کہ اس دور میں آپ کو تحریری میدان کے لئے خدا نے جن لیا اور گستاخان رسول کی گردنوں پر آپ کا قلم تلوار کی طرح کام کر رہا ہے۔

آپ جس ظلم سے مسلک حق کی بے لوث خدمت سرانجام دے رہے ہیں وہ باعث تحسین اور قابل تقلید ہے۔ اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ

موضوع کو نہایت ہی سادہ، مدلل اور دلچسپ انداز میں پیش کرتی ہے اور ان غلط فہمیوں کا ازالہ کرتی ہے جو مخالفین نے اپنی مختلف تصانیف سے پیدا کر دی تھیں۔ خصوصاً "علمائے دیوبند اور ان کے متبعین نے نیز دیگر فرقہ خاندان نے پیشوائے اہل سنت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کو بدنام کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہوا تھا اور ہے کہ وہ ہر مسلمان کو کافر کہتے تھے العیاذ باللہ۔

علمائے دیوبند اور ان کے متبعین کے خلاف اعلیٰ حضرت نے جو کتابیں لکھ کر ان کی سرکوبی فرمائی تھی اور معاندین سے ان کا جواب بن نہ پڑا تو اعلیٰ حضرت کو بدنام کرنے کی خاطر مسئلہ تکفیر کو خاص طور پر موثر ہتھیار کے طور پر اختیار کیا ہوا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر فاضل بریلوی قدس سرہ ان گمراہ گروں کے خلاف قلمی جہاد نہ کرتے تو پاک و ہند میں آج وہابیت اس درجہ بڑھ جاتی ہوتی کہ مسلمان اہل سنت و جماعت کا یہاں نام و نشان بھی نظر نہ آتا۔

محترم اختر شاہجہان پوری صاحب نے مسئلہ تکفیر سے متعلقہ الزامات کی فاضلانہ تحقیق کرتے ہوئے جو محققانہ بحث کی ہے اس کے ذریعے علمائے دیوبند کے اس سلسلے میں عائد کردہ اعتراضات و الزامات کی قلمی کھول کر رکھ دی ہے۔ آپ کی تحریر میں سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ حقائق کو بے لاگ پیش کیا ہے جن کے ذریعے مخالفین کی پھیلائی ہوئی دوسرے اندازوں کے تار پود بکھیر کر رکھ دیئے ہیں نیز قدیم و جدید روشنی کے علماء، طلبہ، صحافی، ادباء اور مورخین کو اعلیٰ حضرت کے مخالفین کے

بارے میں یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ

خود غلط بود آنچه ما پیدا شیم

مجھے اس میں ذرا شک نہیں کہ جوں جوں زمانہ گزرتا جائے

گا یہ کتاب زیادہ شہرت حاصل کرتی جائے گی کیونکہ آخر کار یہ کتاب غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کی گمناؤں کو چھانٹنے میں کامیاب ہو کر ایک وقت مطلع صاف کر دے گی جس سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی حقانیت کا آئینہ پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہو کر فضاؤں کو منور کرنے لگے گا اور درحقیقت یہی اس کتاب کی غرض و غایت ہے۔

بلاشبہ فاضل محترم کی یہ تصنیف شاہراہ تحقیق و تدقیق کا سنگ میل بھی ہے اور منزل حق کے حلاشی قافلوں کے لئے منارہ نور بھی ہے اور ساتھ ہی رہبران دین برحق کے لئے دعوت تحقیق و تدقیق بھی ہے یعنی سچ۔

علمائے عام ہے یاران نکتہ دان کے لئے

افسوس کہ آج آپ جیسی فاضل شخصیت کی علمائے اہل سنت اور عوام اہل سنت نے قدر نہ کی لیکن آپ کسی صلہ کے بغیر فاضل بریلوی قدس سرہ پر کام کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے شفاعت کالمہ عاجلہ سے نوازے اور آپ کی مدد فرمائے، آمین ثم آمین بجاو طہ و نین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ٹاؤن شپ لاہور کی جامع مسجد رضائے حبیب کے امام و خطیب یعنی مفتی اللہ بخش اظہر صاحب چشتی مدظلہ العالی (ایم اے) نے اس مقالہ ”کلمہ حق“ کو پڑھا اور ۴ ستمبر ۱۹۸۸ء کو اپنے تاثرات ان لفظوں میں قلمبند کر کے بھیجے۔

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

بندرہ ناچیز جب ۱۹۷۴ء میں دورہ حدیث کرنے کی غرض سے مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ العالی ناظم اعلیٰ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں زانوئے تلمذتہ کئے ہوئے تھا کہ قبلہ مفتی صاحب نے ایک مسجد میں خطابت کی ذمہ داری بھی مجھے سونپ دی۔ شوق مطالعہ کے باعث مختلف کتابوں کو پڑھتا رہتا تھا۔ اسی دوران ”الصوارم الهندیہ“ نامی کتاب بھی ہاتھ آئی اور جب اس کا دیباچہ پڑھا تو دل باغ باغ ہو گیا۔ دل چاہتا تھا کہ جس نے یہ دیباچہ لکھا ہے اس کی زیارت کروں لیکن کسی صورت تمنا پوری نہ ہو سکی کیونکہ موصوف شروع ہی سے درویش صفت اور گوشہ نشین قسم کے آدمی ہیں اور شہرت سے انہوں نے اپنے آپ کو بچانے کی پوری کوشش کی ہے۔

مرکزی مجلس رضا لاہور کی بعض کتابوں میں موصوف کا ذکر پڑھا اور متعلقین سے ان کا ذکر تعریفی کلمات میں سنا تو شوق زیارت اور بڑھاپا مولانا سعید احمد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”مسک امام ربانی“ دستیاب ہوئی اور اس کا دیباچہ دیکھا تو دنگ رہ گیا اور موصوف کی عظمت و عظمت نے دل میں گھر کر لیا۔ دیدار کی خواہش میں بے پناہ اضافہ ہو چکا تھا کہ چودھویں

صدی کے مجدد برحق امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی محققانہ تصنیف ”الامن والاعلیٰ“ پر موصوف کا ایمان افروز دیباچہ پڑھنا میسر آیا تو دل و دماغ میں نقشہ جم گیا کہ یہ مشین کی طرح کام کرنے والا اور اہل سنت و جماعت کا ایسا بلند پایہ قلمکار اور شہسوار رضویت کا ایسا پاسبان ضرور کوئی نجیم و جسیم اور بھاری بھرکم انسان ہو گا۔

اللہ تعالیٰ بھلا کرے جناب لائق احمد شاہ صاحب اور جناب غلام مصطفیٰ صاحب ٹیکیدار کا جنہوں نے مجھے موصوف کی زیارت سے مشرف کروایا۔ دیکھا تو حیرانگی کی کوئی حد نہ رہی کہ گمراہی کے طہر داروں پر شیروں کی طرح وہ حملہ کرنے والا انسان تو جسمانی لحاظ سے بالکل کمزور پایا۔ لیکن میں نے اس عظیم مصنف کو متواضع منکر المزاج، ملنسار، درویش منش، محبت و اخوت کا پیکر، سادگی کا نمونہ، پرسوز دل گداز، ملت اسلامیہ کا ہمدرد، دین کی تڑپ رکھنے والا، عاشق رسول، پاسبان سنت و رضویت اور اسلاف کی مقدس نشانی پایا۔ گفتگو کرنے پر یوں محسوس ہوا کہ گویا وہ علوم دینیہ کا کمپیوٹر ہے کہ جو دل میں آئے سوال کرو اور فوراً ہی اس کا جواب مل جاتا ہے۔

وہ فاضل شہیر، حق و صداقت کے پاسبان اور نائب اعلیٰ حضرت جن کا تخلص اختر ہے، وہ مشرّف نقشبندی، مجددی، مظہری اور مولانا شاہجہان پوری ہیں۔ ان کا نام علامہ عبدالحکیم خان مدظلہ العالی ہے موصوف ایک سو کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف و مترجم ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے ”مشعل راہ“ اور ”کلمہ حق“ سے ان کی تحقیقی دسترس کا پتہ لگتا ہے۔ کتب احادیث میں

جانے پر بھی کوئی ایک دیوبندی عالم ایسا نہیں نکلا جو کہتا میں ایسی تحریر دے کر اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوں۔

”کلمہ حق“ کے اندر علامہ شاہجہان پوری صاحب نے اکابر دیوبند کی تکفیر کے معاملے کو عام فہم لفظوں میں ایسے دلائل و حقائق کے ساتھ مبرہن کیا ہے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھایا ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ اس بارے میں چودھویں صدی کے مجدد برحق، امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو فتویٰ صادر فرمایا تھا وہ حقیقت پر مبنی اور شرعی ضابطوں کے عین مطابق تھا۔ ان چاروں شمار کی زیر بحث کفریہ عبارتوں میں سے کسی ایک عبارت کے اندر کوئی ایک اسلامی تاویل پیش کرنے سے آج تک جملہ علمائے دیوبند قاصر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ موجودہ علمائے دیوبند کو ہدایت دے کہ وہ اللہ اور اس کے آخری رسول کی شان پر حملہ آور ہونے والے اپنے ان چاروں اکابر کو اسی نظر سے دیکھنے لگیں جس کے وہ شرعی لحاظ سے مستحق ہیں اور اللہ اور رسول کے مقابلے پر ان کی حمایت کر کے انہیں اربابا من دون اللہ بنانا چھوڑ دیں کیونکہ کسی کی بے جا حمایت کر کے خود کو جہنم کا اہل بنانا اچھی بات نہیں ہے۔ ضروری بات یہی ہے کہ اللہ اور رسول کی حمایت کی جائے نہ کہ ان کے دشمنوں کی۔

اللہ تعالیٰ ہمارے علامہ شاہجہان پوری کو عمر خضر عطا فرمائے تاکہ یہ اہل سنت و جماعت کو عظیم علمی و قلمی ذخیرے دے جائیں۔ اہل سنت و جماعت کے ہر پڑھے لکھے گھرانے میں ”کلمہ حق“ نامی مقالے کا ہونا ضروری ہے۔ علمائے اہل سنت و جماعت

سے ”بخاری شریف“، ”موطا امام مالک“، ”سنن ابن ماجہ“، ”سنن ابوداؤد“ اور ”مشکوٰۃ شریف“ ان کے اردو ترجموں کے ساتھ مارکیٹ میں موجود ہیں۔ جبکہ ”طحاوی شریف“، ”مسلم شریف“ اور ”موطا امام محمد“ ان کے اردو ترجموں کے ساتھ منظر عام پر آنے والی ہیں۔ حدیث کی مذکورہ آٹھوں کتابوں کی اکیس جلدیں اور پندرہ ہزار صفحے ہیں۔

فلک فضل اللہ یوتہ من یشاء

پاکستان میں علمائے دیوبند میں سے مولوی محمد سرفراز گھمڑوی صاحب وہ ہیں جنہوں نے مذہب اہل سنت و جماعت اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف سب سے زیادہ لکھا ہے۔ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے جو مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ اکابر دیوبند میں سے چار علماء کی تکفیر کا شرعی فریضہ ادا کیا تھا، اس کو غلط اور برطانوی سازش قرار دیتے ہوئے گھمڑوی صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں بعض علمائے اہل سنت کو مخاطب کر کے جواب دینے کے لئے لکھا تھا اور وہ میدان میں حل من مبارز کی صدا میں بلند کر رہے تھے۔

آخر محمدی کچھار کا ایک شیران کے مقابلے پر آیا یا یوں سمجھئے کہ خدائی فوج ظفر موج کا ایک ابابیل ”کلمہ حق“ کی ہجلاۃ من سجیل کے ساتھ ان کے سروں پر منڈ لایا اور گستاخان رسول کے اس مصنف اعظم اور اس کے جملہ ہم نوا علماء کو کھٹ ماکول بنا کر رکھ دیا۔ اس مقالے میں تین چار جگہ پر موصوف کو چیلنج دیا ہے کہ اپنے جملہ ہم خیال علماء سمیت جب آپ چاہیں ہماری طرح تحریر دے کر اس مسئلے پر احقر کے ساتھ تحریری بحث کر لیں۔ یہ ۱۹۷۵ء کی بات ہے اور تیرہ سال گزر

سے میری درخواست ہے کہ وہ متحد ہو کر باطل کے مقابلے میں بھی علمی و عملی کام کریں اور اہل ثروت حضرات سے میری اپیل ہے کہ وہ مولانا عبدالحکیم خان مدظلہ العالی جیسے بحر علم اور مشین کی طرح قلمی کام کرنے والے کی اس طرح پشت پناہی کریں کہ یہ ملت اسلامیہ کو قابل قدر علمی سرمایہ دے جائیں۔ واللہ رب العلمین۔

مفتی اللہ بخش اظہر چشتی (ایم اے)

خطیب جامع مسجد رضائے حبیب

بلاک نمبر ۵ (بی ون) ٹاؤن شپ لاہور

۹

ادارہ غفریہ رضویہ، مصری شاہ، لاہور نے ”کلمہ حق“ نامی مقالہ ۲۸ صفحات پر ۱۹۸۷ء میں شائع کر دیا۔ انہوں نے یہ رسالہ جولائی ۱۹۸۸ء میں تبصرے کے لئے ماہنامہ ”المعین“ (فیصل آباد) والوں کے لئے بھیجا تو جناب نوید احمد شرمصاحب نے اس پر تبصرہ کیا جو اگست ۱۹۸۸ء کے ”المعین“ میں یوں شائع ہوا تھا۔

ذریعہ نظر کتاب مشہور مورخ، مترجم، محقق اور ادیب علامہ عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری لاہوری کی علمی و تحقیقی تصنیف ہے جس میں ۱۳ نکات کی روشنی میں مصنف نے علمائے دیوبند کی بعض قابل اعتراض کفریہ عبارات پر غیر جانبدارانہ تبصرہ فرمایا ہے۔ اگر مصنف مزاج حضرات ٹھنڈے دل سے ذریعہ تبصرہ کتاب کا مطالعہ کریں تو اس میں حق و باطل میں نمایاں فرق نظر آجائے گا۔ لیکن تعصب اور نہ مانوں کا علاج کسی کے پاس

بھی نہیں۔ انتہائی دلچسپ معلوماتی کتاب ہے۔ (تبصرہ نگار۔ ن۔ ا۔ ث)

۱۰

معمر عالم دین، نامور اہل قلم اور مصنف کتب کثیرہ یعنی سید نور محمد قادری مدظلہ العالی نے ”کلمہ حق“ نامی مقالہ پڑھا تو ۱۹ ستمبر ۱۹۸۸ء کو اپنے تاثرات یوں سپرد قلم کر کے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ العالی کی معرفت ارسال کئے۔

اسلام میں کسی کو کافر کہنا بہت بڑا جرم ہے۔ جب ہم یہ پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں کہ فلاں عالم نے فلاں شخص یا فلاں مسلک کی تکفیر کی ہے تو دل کو دھچکا سا لگتا ہے اور فتویٰ دینے والے کے خلاف دل میں نفرت کے جذبات کا ایک طوفان اٹھ آتا ہے۔

یہ تو ہے مسئلہ کا ایک پہلو اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اسلام نے کچھ حدود و ضوابط مقرر کئے ہوئے ہیں اگر کوئی ان کو پھلانگنے کی کوشش کرتا ہے یا پھلانگ جاتا ہے تو اسے کم از کم مسلمان سمجھنا اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتا ہے۔ مثلاً علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسا جرم ہے جس کے مرتکب کو مسلمان سمجھنا بھی بجائے خود کفر ہے۔ اگر کسی کی تحریر میں ایسے الفاظ پائے جاتے ہوں جن سے تنقیص رسالت چلتی ہو تو وہ بالاتفاق دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ مثلاً ”تقویت الایمان“ کے ایک مستند اور قدیم ترین ایڈیشن ہے جو ہر قسم کی ترمیم و تنسیخ سے پاک ہے مندرجہ ذیل دو

محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور مصنف نے کوشش کی ہے کہ مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔ مصنف مولانا اختر شاہ جہان پوری کی محنت قابل داد اور لائق تحریک ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

مخلص سید نور محمد قادری

چک نمبر ۵۵ شمالی ڈاک خانہ چک نمبر ۵ براستہ ملکوال ضلع گجرات

۱

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے نائب صدر جناب سید وجاہت رسول قادری مدظلہ العالی نے احقر کی کئی تصانیف پڑھی تھیں۔ اب ”خصائص کنز الایمان“ کے آخر میں اس ناچیز کی مطبوعہ و غیر مطبوعہ تصانیف و تراجم کی فہرست دیکھی اور ”کلمہ حق“ نامی مقالے کا مطالعہ کیا تو نے اکتوبر ۱۹۸۸ء کو راقم الحروف کے نام مکتوب محبت لکھا جس میں ”کلمہ حق“ کے متعلق اپنے تاثرات لکھے اور اپنے ادارے کے جملہ عہدیداروں کی طرف سے احقر کی غیر مطبوعہ تصانیف کو منظر عام پر لانے کے متعلق یوں اپنے عزم و تعاون کا اظہار کیا ہے۔

”آپ کی مختلف تصانیف کے مطالعے کا شرف حاصل ہوا۔

الحمد للہ آپ کی تحریر میں سلامت روی اور شگلی کا عنصر بہت

زیادہ ہے جس سے تحریر کا حسن بڑھ جاتا ہے۔ امام احمد رضا علیہ

الرحمہ کے حوالے سے آپ کی جو کتابیں پڑھنے کا اتفاق ہوا اس

سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت اور ان کے علمی

کارناموں کو اجاگر کرنے کے لئے آپ نے بڑی علمی کاوش و وقت

نظری اور وسیع مطالعے کا مظاہرہ کیا ہے۔

اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ جس نے اللہ کا حق اس کی مخلوق کو دیا تو بڑے سے بڑے کا حق لے کر ذلیل سے ذلیل کو دے دیا ہے جیسے بادشاہ کا تاج ہمارے سر پر رکھ دیجئے اس سے بڑی بے انصافی اور کیا ہو گی اور یہ یقین جان لینا چاہئے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے ہمارے بھی ذلیل ہے۔

(”تقویت الایمان“ مطبوعہ ۱۳۵۷ھ، ص ۲۳، ۲۴)

(یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی میں محفوظ ہے)

۲۔ اس شہنشاہ عالی کی تو یہ شان ہے کہ ایک آن میں ایک حکم کن سے چاہے تو کروڑوں ٹی، ولی، جن، فرشتے، جبریل اور محمد کے برابر پیدا کر ڈالے اور جو سب لوگ پہلے اور پچھلے آدمی اور جن، جبریل اور پیغمبر ہی سے ہو جاویں تو اس مالک الملک کی عظمت میں ان کے سبب کچھ رونق بڑھ نہ جاوے گی اور جو سب لوگ مل کر شیطان اور دجال ہی سے ہو جاویں تو اس کی کچھ رونق گھٹ نہ جاوے گی۔ (ایضاً، ص ۵۳، ۵۵)

کون مسلمان ہے جو ان عبارات کو پڑھے اور اس کا خون نہ کھول اٹھے۔ ان عبارات کے مصنف کو محض کافر کہہ دینا تو کوئی سزا نہیں۔ اس کا اصل مقام تو تختہ دار ہونا چاہئے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قبیل کی عبارتوں پر حکم تکفیر لگایا ہے اور اس طرح کروڑوں مسلمانین عالم کو ان گمراہ کن عبارتوں کے ایمان سوز اثرات سے بچایا ہے۔

زیر نظر کتاب ”کلمہ حق“ میں ایسی ہی گمراہ کن عبارات پر

حال ہی میں آپ کی ایک تصنیف ”کلمہ حق“ کے مطالعے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ نے واقعی کلمہ حق ادا کرنے کا حق ادا کیا اور ایک جدید ترتیب، نئے عنوانات اور عالمانہ تحقیق و تنقید کا بھرپور اظہار کیا ہے اور مخالفین مسلک کے فرار کے لئے اپنے دلائل و براہین سے ان کے تمام راستے مسدود کر دیئے ہیں۔ راقم الحروف اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے تمام اراکین اور سرپرست آپ کے علم و فضل کی ترقی اور آپ کی عمر درازی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہیں۔

اللہ کرے نور قلم اور زیادہ

اس موقع سے قائدہ اٹھاتے ہوئے آپ سے ایک درخواست ہے کہ امام احمد رضا خان کی شخصیت اور ان کے علمی اور ملی کارناموں سے وابستہ آپ کے پاس جتنا غیر مطبوعہ لٹریچر ہے اس کی فوٹو کاپی اگر ادارے کو عنایت فرمادیں تو ادارہ حسب استطاعت ہر سال امام احمد رضا کانفرنس کے انعقاد کے موقع پر ان میں سے کچھ نہ کچھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کرے گا اور اگر ادارے کے وسائل نے اجازت دی تو انشاء اللہ ہماری پلاننگ ہے کہ دو یا تین سال کے اندر آپ کی تمام تصانیف ہمارے پلیٹ فارم سے زیور طباحت سے آراستہ ہو جائیں گی۔

گر قبول اکتد زہے عز و شرف

اگر آپ اپنی تمام غیر مطبوعہ کتابوں کی کاپیاں فی الحال عنایت نہیں کر سکتے تو آپ مندرجہ ذیل کتب کی کاپیاں عنایت فرمادیں۔

۱۔ دلی سے بالاکوٹ تک ۲۔ دو قوی نظریہ کیا ہے؟ ۳۔ امام

احمد رضا کا معتدل مسلک ۴۔ امام احمد رضا اور مسئلہ بدعت ۵۔ امام احمد رضا اور شرک فروش ٹولہ ۶۔ امام احمد رضا کس کے ایجنٹ تھے؟ ۷۔ امام زمانہ ۸۔ واصف شاہ ہڈی۔

امام احمد رضا کانفرنس ۳ ستمبر ۱۹۸۸ء کو کراچی کے ایک بڑے ہوٹل میں منعقد ہوئی جس میں معروف علماء، فضلاء، وکلاء، جج صاحبان اور دانشوروں نے شرکت کی۔ اس موقع پر مندرجہ ذیل کتابیں شائع کی گئیں جو آپ کے مطالعہ کے لئے پیش خدمت ہیں۔

۱۔ ”معارف رضا“ ۱۹۸۸ء ۲۔ مجلہ کانفرنس ۱۹۸۸ء ۳۔ ”قادی رضویہ کا موضوعاتی جائزہ“ ۴۔ معاشی نکات (انگریزی) ۵۔ ”تمہید ایمان“ (انگریزی) ۶۔ ”جہان مسعود“

ادارہ آپ کا ممنون ہو گا کہ اگر آپ امام احمد رضا کے تحقیقی کام کو آگے بڑھانے میں ہمیں مفید مشوروں سے نوازیں اور اس سلسلے میں خاص طور سے ہم سے قلمی تعاون فرمائیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اور دیگر اراکین ادارہ و احباب کی طرف سے سلام مسنون قبول فرمائیں۔ سید ریاست علی قادری صاحب اب اسلام آباد منتقل ہو گئے ہیں انہوں نے بھی آپ کو سلام عرض کیا ہے۔

والسلام آپ کا مخلص: سید وجاہت رسول قادری

دشمنوں کی صفوں کو الٹ دیا اور فتوحات پر فتوحات کیں۔
 ”کلمہ حق“ یقیناً اپنوں کے لئے تسکین جان اور نیت کے
 دشمنوں کے لئے تیج براں سے کم نہیں۔ کتاب میں بد مذہبوں
 کے باطل خیالات کا جس طریقے سے آپریشن کیا گیا ہے وہ ان
 مسلمانوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے جو دشمنان دین
 کو مسلمان سمجھ کر اتحاد کی بات کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں
 کہ گستاخان رسول سے اتحاد تو درکنار ان سے کسی قسم کی راہ و
 رسم رکھنا بھی خلاف دین و مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے
 کہ ”کلمہ حق“ کے مصنف اور ناشر کو اس کار خیر کے عوض اجر
 عظیم عطا فرمائے آمین۔

نقطہ و السلام

سید ریاست علی قادری

۱۲

دارالعلوم اشرف المدارس، اوکاڑہ کے شیخ التفسیر و الحدیث حضرت مولانا غلام
 علی مدظلہ العالی کی خدمت میں راقم الحروف نے اپنا ”کلمہ حق“ نامی مقالہ بھیجا اور ان
 سے رائے لکھنے کی التماس کی۔ موصوف اپنی طویل علالت کے باعث ایک عرصہ سے
 لکھنے پڑھنے سے معذور ہیں۔ برادر عزیز راجہ سلطان مجاہد طاہر القادری کے لئے خط لکھا
 کہ ”جب بھی حضرت موصوف کی طبیعت اجازت دے تو ان کے تاثرات ضرور
 ”بجوانا“ موصوف کی اس عاجز پر شفقت نے زور مارا اور علالت کے دوران ہی پورے
 مقالے کو پڑھا اور سن۔ اس کے بعد احقر کے مذکورہ مقالہ کے بارے میں یوں اپنے
 تاثرات دست خاص سے لکھ کر ارسال فرمائے۔

۱۲

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء) کے
 ایک خلیفہ کی نعت جگر یعنی محترمہ قطب النساء پاشا بیگم صاحبہ مدظلہا العالی نے ۳۰
 اکتوبر کو راقم الحروف کے نام خط لکھا اور اس میں ”کلمہ حق“ نامی مقالے کے بارے میں
 یوں اپنے تاثرات سپرد قلم فرمائے۔

”کلمہ حق“ کی جو کاپیاں مجھے پہنچیں وہ میں پڑھنے کے بعد کلمہ
 ناحق کہنے والوں میں تقسیم کر چکی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ
 کی تالیف واقعی ”کلمہ حق“ ہے اور جس خوبصورتی، نزاکت اور
 لطافت کے ساتھ آپ نے حق کا اظہار فرمایا ہے یہ آپ کا منفرد
 انداز ہے۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

۱۳

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے صدر جناب سید ریاست علی قادری
 صاحب نے ادارہ غفریہ رضویہ، لاہور کا شائع کردہ رسالہ ”کلمہ حق“ پڑھا تو عبدالستار طاہر
 صاحب کے نام خط لکھتے ہوئے اس مقالے کے بارے میں اپنے تاثرات یوں سپرد قلم
 کئے۔

”کلمہ حق“ لکھ کر محترم جناب فاضل شہیر، حضرت مولانا
 عبدالحکیم خان اختر صاحب نے واقعی حق سنیت ادا کر دیا اور اس
 طرح وہ اعلیٰ حضرت، الشاہ امام احمد رضا قدس سرہ کے ان سچے
 عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے جنہوں نے قلمی جہاد سے

اختر شاہجہان پوری کی کتاب ”کلمہ حق“ پیش نظر ہے۔ میں نے موصوف کی بعض دیگر کتب بھی دیکھی ہیں ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ دور حاضر کے فتنہ عظیم دیوبندیت و ہابیت کی سرکوبی کے لئے ان کے قلم حقیقت رقم کے وار بڑے مضبوط ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت کو ان کی تصانیف عالیہ سے مستفید ہونے کی توفیق بخشے اور موصوف کی عمر میں صحت میں اوقات میں سلسلہ تصنیف و تالیف قائم رکھنے میں برکتیں فرمائے آمین۔ بجاہ طہ و یسین علیہ التیہ و التسلیم۔

فقیر ابوالیمان محمد احسان الحق قادری الرضوی

مرکزی دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام، فیصل آباد

نوٹ:۔۔۔ افسوس! مذکورہ تاثرات لکھنے کے ایک ماہ ۹ روز بعد ۱۳ ربیع النور ۱۴۳۱ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو بروز ہفتہ پونے تین بجے بعد نماز ظہر حضرت مولانا حافظ محمد احسان الحق قادری ہمیں دام مفارقت دے گئے یعنی ان کے خالق و مالک کی طرف سے بلاوا آگیا اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف اکابر کی نشانی اور عالم باعمل تھے۔ حضرت مولانا سردار احمد محدث لائل پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۲ء) کی تعلیم و تربیت کا اثر ان کے علم و عمل سے صاف ظاہر ہوتا تھا۔

ابرہہ رحمت ان کے مرقد پر گہر باری کرے
حشر میں شان کریبی ناز برداری کرے

حضرت مولانا عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری ملک کے نامور صاحب قلم اور اہل سنت و جماعت کے شہیر فاضل ہیں۔ انہوں نے ”کلمہ حق“ نامی مقالہ لکھ کر زیر بحث مسئلہ پر تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ رسالہ مذکور میں امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے مشہور فتاویٰ ”حسام الحرمین“ کی پرزور اور مدلل تائید کی گئی ہے اور شان رسالت میں گستاخیاں اور تاویلات کرنے والوں کی خوب مرمت فرمائی ہے اور گستاخان رسالت اور ان کے حامیوں کے بے سروپا اعتراضات کا مدلل جواب درج کیا ہے اور اس ذیل میں نہایت اعلیٰ پیرائے پر عمدہ عمدہ علمی نکتے بیان فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل حق کو استقامت اور گستاخوں اور باطل پرستوں کو توبہ اور قبولیت حق کی توفیق عطا فرمائے۔ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ابو الفضل غلام علی شیخ التفسیر والحدیث

جامعہ حنفیہ دارالعلوم اشرف المدارس اوکاڑہ

مرکزی دارالعلوم جامعہ رضویہ مظہر اسلام فیصل آباد کے صدر المدرسین اور جھویری مسجد، فیصل آباد کے خطیب جناب مولانا حافظ محمد احسان الحق قادری رضوی مدظلہ العالی نے ۱۹۸۸ء میں رسالہ ”کلمہ حق“ دیکھا بغور پڑھا تو پھر ک اٹھے اور اپنے تاثرات قلمبند کر کے ایک دوست کے ہاتھوں ارسال فرمائے جو پیش خدمت ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحب تصانیف کثیرہ حضرت مولانا عبدالحکیم خان صاحب

علی کارنامے نہ تو مجھ جیسے فقیر بے نوا کی تحسین کے محتاج ہیں اور نہ ہی انہیں کسی دلیل اور برہان کی حاجت ہے اس لئے کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب

آپ کی ایک سو سے زائد تصانیف و تراجم میں سے جب بھی کسی صحیفہ نور کا مطالعہ کیا تو یوں معلوم ہوا کہ خالق کائنات جل مجدہ الکریم نے اس صدی میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی نیابت آپ کو تفویض کر رکھی ہے۔ میرے علم کے مطابق آپ کا دینی کتب کی اشاعت کے سلسلے میں بلا 'وضہ اس قدر کارنامے سرانجام دینا آپ ہی کا کام ہے اور یہ سعادت ازل ہی سے آپ کے لئے مخصوص معلوم ہوتی ہے ورنہ اس دور میں اتنا بڑا ایثار نہ کہیں دیکھا نہ سنا اور حق تو یہ ہے کہ۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
نماند بخشد خدائے بخشندہ

آپ کی کس کس تصنیف پر تبصرہ کروں، سب ہی نور علی نور ہیں۔ ”کلمہ حق“ میں عصر حاضر کے جید علماء نے آپ کی کتابوں کی تحسین کے سلسلے میں ان کے اسماء کا تذکرہ فرما دیا ہے۔ لہذا ان پر تبصرے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ آپ کی ہر تصنیف مستغنی عن التعریف والتوصیف ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب کریم علیہ التیجہ والتسلیم کے صدقہ سے آپ کی تصانیف میں سے ہر نور پارے کو شرف قبولیت عطا فرما کر جملہ اہل اسلام کے لئے ناقیام

اہل سنت و جماعت کے نامور عالم دین، صاحب تصانیف کثیرہ اور شہرت یافتہ ثنا خوان رسول و نعت خواں و نعت گو شاعر جناب صائم چشتی فیصل آبادی زید مجدہ نے احقر کے مقالہ ”کلمہ حق“ کا مطالعہ کیا تو ۱۳ رجب الثانی ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۳ نومبر ۱۹۸۹ء کو اپنے تاثرات تحریر کئے اور اس ناچیز کے ایک دیرینہ عقیدت مند صوفی عبداللطیف صاحب جماعتی زید مجدہ کے ہاتھوں بھجوائے۔ محترم صائم چشتی نے میرے جیسے نا اہل، کم علم، کوتاہ اندیش اور تنگ اسلاف کے لئے جو القاب استعمال کئے ہیں ان کا یہ ناچیز ہرگز مستحق نہیں کیونکہ میں ان میں سے کوئی خوبی بھی اپنے اندر نہیں پاتا۔ بہر حال یہ ان کا حسن ظن ہے جس کا خدائے ذوالمنن انہیں اجر عطا فرمائے۔ موصوف کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ط نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم
واجب الاکرام و صد احترام، تاجدار اقلیم عشق رسول، افتخار اہل سنت و جماعت، عکس جمال اسلاف، محقق دوراں، غزالہی زماں، رازی عمر، وارث قلم رضا، امام المحدثین، فقیر گوشہ نشین، سند المتکلمین، مبلغ بے ریا، پیکر خلق و مروت، منبع نور ہدایت، افضل العلماء، اکمل الفضلاء، عالم لوزی، فاضل بے بدل، صاحب طرز ادیب شیر، افتخار اولین و آخرین، پر تو علمائے حقہ مین، نائب امام احمد رضا، حضرت العلام، عالی مرتبت، فیض درجت، سیدی و مولائی حضرت علامہ عبدالحکیم خان اختر و امت برکاتم القدسیہ و النورانیہ شاہجہان پوری کی دین حقہ کے لئے مسائی جیلہ اور آپ کے دینی کارناموں کے بارے میں کچھ عرض کرنا آفتاب کو چراغ دکھانے کے متراف ہے آپ کے دینی اور

درجہ رکھتا ہے۔ مزید براں معاندین کے سرپرستہ رازوں کا پردہ چاک کر کے ان کی دریدہ وہنی، کذب بیانی، الزام تراشی، دسیہ کاری اور خیانتوں کو عیاں اور ننگا کرتا ہے۔ ان کے اکابرین کا رد انہیں کی کتابوں کی تصدیق سے اور ان کی تقاریر کی تحریروں سے نقل فرمانا مخالفوں کے لئے ضرب کلیسی کے مترادف ہے۔

عمرہ دراز تک اعلیٰ حضرت، مجددین و ملت، امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تنقید سے ان کا خاموش اور صم بکم غمی بنے رہا اور ان کی زبان و قلم کا جنبش میں نہ آتا اس بات کی دلیل ہے کہ امام رضا رضی اللہ عنہ ثم ارضاه کے جواب کی تاب و توان نہ رکھتے تھے، گویا ان کی آنکھیں ٹاپٹاپ اور ان کے دل اندھے تھے کما قال اللہ تعالیٰ فی شانہم۔ لا صحی الابصار و لكن صحی القلوب التي فی الصدور۔ امام رضا کے واصل باللہ ہونے کے بعد ملاؤں کا جواب اعلیٰ حضرت کی تحریروں میں قطع و برید اور ہیر پھیر سے بلکہ تحریف و تغیر سے جال بچانا حضرت شیخ مصلح الدین سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کو ان پر منطبق کرتا ہے۔

دو چیز تیرہ معقل است دم فرو بستن
بوقت گفتن، گفتن بوقت خاموشی

عجالتہ ثانیہ کلمہ حق کی یہ خوبی ہے کہ اکابرین دیوبند کو گورنمنٹ برطانیہ کی ورکشاپ کے کل پرزے نام بنام من اولہ الی الان بالاسناد اور برطانیہ ہی کے آفیسر مسٹر پامر کا مدرسہ دیوبند کے معاند کے وقت کی تحریر خود پروفیسر محمد ایوب قادری دیوبندی کے رشحات قلم سے بحوالہ ”مولانا محمد احسن نانوتوی“ کتاب

قیامت رہبر و رہنما ستاروں کی طرح درخشندہ و تابندہ رکھے اور آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم و دائم رکھے اور تادم زیت عقائد حقہ کی تبلیغ کے لئے آپ کے قلم کو رواں دواں رکھے، آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین۔

نیاز آگین صائم چشتی

۷۱

سنی رضوی جامع مسجد، فیصل آباد کے خطیب اور درویش صفت، عالم باعمل جناب مولانا مفتی محمد عبدالرشید رضوی، مہنگوی دامت برکاتہم العالیہ نے صوفی عبد اللطیف جماعتی زید مجدہ کی معرفت احقر کا مقالہ کلمہ حق دیکھا تو بغور مطالعہ کرنے کے بعد یکم جنوری الاولیٰ ۱۴۱۰ھ یکم دسمبر ۱۹۸۹ء کو یوں اپنے تاثرات قلمبند کر کے ارسال فرمائے۔

محضرۃ التحریر التعمیم المظام السلام، مخدم الانام، مولانا العلام، محمد عبدالکیم خان اختر شاہجہان پوری لازالت شمس علومہ بازغہ و نجوم فیوضہ طالعہ۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مزاج مقدس و معنی بعانیت؟ المرام اینکہ آپ کی تصانیف سے دو رسالے ”کلمہ حق“ اور ”خصائص کنز الایمان“ زیر مطالعہ آئے۔ آپ کی تحقیق و تدقیق اور مواخذہ و موازنہ نے بے حد متاثر کیا۔ رد و قدح اور مواخذہ و موازنہ پر متعدد کتب و رسائل طویل اور وجیز منصہ شہود پر آئے لیکن آپ کا اسلوب نزالات، عام فہم، مخالف کی مکاریوں، عیاریوں اور کیا دیوں کا کماحقہ آئینہ دار اور پردھنے والوں کے دل کی گہرائیوں میں اترنے والا، تاثیر و احکام میں ممکن و تین و تحقق و تقرر کا

مطبوعہ کراچی ص ۲۱۷ سے نقل فرما کر ان کے رؤس وابدان پر قطعت لہم ثياب من نار۔ سب من فوق رؤسکم الحکم۔ صحرہ مانی بطونہم والجلود و لہم مقامع من حدید سے بھی دزنی اور ضرب کلیسی سے بھاری کر دیا ہے۔ نیز دیوبندی مذہب کی فوٹو کاپیاں انہیں کی کتب ”مکالمۃ العدرین“ اور ”باب جنت“ وغیرہ سے سابقہ و عید پر مستزاد ہیں۔

جب تک معاندین اپنے عناد و خصومت کو ترک کر کے اپنے اکابرین دیوبند کی کفریہ عبارات سے توبہ کر کے اقبال قلوب کو تک کر کے ایک محض سے باز نہ آئیں گے اور انابت الی اللہ و رسولہ و الی دین الحق و مذہب اہل الحق کی توفیق انہیں ان کی رفت نہ بنے گی وہ آیت کلمہ نجات جلودہم بدلناہم جلودا“ غیرہا ینذوق العذاب کا مصداق رہیں گے۔

فقیر بہ خلوص دل ہزار خضوع و خشوع بحضور قلب آپ کے لئے دست بدعائے خیر ہے کہ آپ کو نیابت اعلیٰ حضرت، مجدد دین و ملت، امام اہل سنت و جماعت، عارف باللہ، محسن کامل اور دین متین مصطفویٰ علیٰ صاحبہا الوف التیحات والف الف التلیحات من و احب العلیات کی اتباع اور تحریری خدمات کے صلہ میں صلات جلیلہ کاملہ علیہ سے سرفراز فرمائے اور تادیر زندہ و تابندہ رکھے اور عوام و خواص کو آپ جیسے وحید العصر، ناخبر روزگار کے رشحات افکار و قلم سے مستفیض و مستفید فرمائے، آمین ثم آمین بجاہ حبیبہ سیدنا و سندنا و مولانا سید المرسلین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ و حزب و علماء امتہ و صلحاء ملتہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔

فقیر ابوالضیاء محمد عبدالرشید رضوی
خطیب سنی رضوی جامع مسجد، فیصل آباد

۱۸

پاکستان کے مایہ ناز عالم دین اور عظیم الشان محقق مولانا مفتی غلام سرور قادری رضوی دامت برکاتہم العالیہ جو وفاقی شرعی عدالت پاکستان کے مشیر بھی ہیں، ایگزامینرز بورڈ، یونیورسٹی اسلام آباد کے ممبر بھی ہیں اور دارالعلوم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ) سنٹرل کمرشل مارکیٹ ماڈل ٹاؤن لاہور کے فیجنگ ٹرسٹی اور مہتمم بھی ہیں انہوں نے احقر کا ”کلمہ حق“ نامی مقالہ پڑھا تو اپنے تاثرات ان لفظوں میں تحریر کر کے روانہ فرمائے:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمده و نصلى على رسولہ الکریم

امامہ علیہ السلام

راقم نے مفکر اسلام حضرت علامہ مولانا عبدالکحیم خاں اختر شاہجہاں پوری مجددی منظری کی کتاب ”کلمہ حق“ کے بعض مقامات دیکھے، کتاب محتاج تعریف نہیں بہ مطابق محاورہ ”عطر آہست کو خود بہوید نہ کہ عطار بگوید“ اہل علم کو اپنی شان خود ہی بتا دے گی، کیوں نہ ہو کہ اس کے لکھنے والے ایسے فاضل و محقق ہیں کہ تاریخ ہندو و پاک اور اس میں رونما ہونے والے فکری اختلافات پر انہیں دسترس حاصل ہے۔

علامہ صاحب نے اور بھی بہت کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ احادیث کے تراجم میں ان کی کاوش قابل تحسین ہے۔ بلاشبہ علامہ موصوف اہل سنت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ صحت و

رب پاک مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور موجودہ ظلم و فساد کے ظلمات میں رسالہ ہذا کو آفتاب عالمیت کی طرح تاباں اور درخشاں کرے آمین۔ بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
عبدہ محمد احمد نعیمی غفرلہ

۲۰

جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ لاہور کے مدرس اور پاکستان کے معروف صاحب قلم و مصنف کتب مولانا عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی مدظلہ العالی جو آجکل ”اشدہ اللغات“ کا اردو ترجمہ کر رہے ہیں انہوں نے احقر کا مقالہ ”کلمہ حق“ پڑھا اور بقول ان کے دو تین مرتبہ اپنے تاثرات قلمبند کر کے بذریعہ ڈاک ارسال فرمائے لیکن وہ اس ناچیز تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انہوں نے آخری بار اس ناچیز کے اصرار پر پھر تحریر کر کے عزیزم عظیم خان سلمہ، متعلم جامعہ نظامیہ، لاہور کے ہاتھوں ارسال فرمائے جو ان کے لفظوں میں پیش خدمت ہیں۔ وبالله التوفیق۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔ کلمہ حق کہنا ہر مومن پر لازم ہے، ہر مسلمان کی شان ہے۔ اگر اہل حق، کلمہ حق بلند کرنا چھوڑ دیں تو حق و باطل کا امتیاز ختم ہو جائے، لیکن یہ کام ہر شخص کے بس میں نہیں ہے، یہ انہیں لوگوں کا حصہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

مولانا علامہ عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری انہی لوگوں میں سے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے کلمہ حق کہنے اور پوری قوت سے بلند کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی ہے۔ پیش نظر کتاب ”کلمہ

تدرستی کے ساتھ ان کی عمر میں برکت فرمائے اور اہل سنت کو ان کے علمی وجود سے تادیر مستفید ہونے کا موقع مرحمت فرمائے آمین — فقط والسلام۔

مفتی غلام سرور قادری
مہتمم دارالعلوم جامعہ رضویہ (ٹرسٹ)
سنٹرل کمرشل مارکیٹ، ماڈل ٹاؤن لاہور
۲۶ جنوری ۱۹۹۱ء

۱۹

دارالعلوم انوار المجدیہ النعیمیہ ٹرسٹ، غریب آباد، لیبرا۔ یکٹیشن کراچی نمبر ۳ کے مہتمم و ناظم جناب مفتی محمد احمد میاں دامت برکاتہم العالیہ نے احقر کا مقالہ ”کلمہ حق“ پڑھا تو اپنے تاثرات یوں سپرد قلم کئے۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ الْفَضْلِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ وَاصْحَابِہِ الْہَادِیِّیْنَ الْمُهَلِّیْنَ وَ عَلَمَاءِ اٰمَةِ الْکَلَمِیْنَ الْعَالَمِیْنَ اٰمِیْنَ۔

فاضل جلیل، عالم نبیل، مولانا عبدالحکیم خان سلمہ الرحمن مجددی مظہری زید عنایت نے یہ کتاب تصنیف فرما کر بلاشبہ جیسا نام رکھا ویسا ہی کلمہ حق نما ہے اور حقیقت روشن کن ہے۔ احباب اہل سنت کے لئے ایک پیغام خوش خبری ہے اور دشمن مخالف کے لئے پیغام اجل ہے یہ رسالہ ہر سنتی خاص و عام کے پاس رہنا ضروری ہے کہ ان کو وقت پر تلواریں کا کام دے گا۔

پاکستان کی معروف دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ لاہور ہی کے ایک اور مدرس جناب مولانا محمد منشا تابش قصوری زید مجدد نے اس ناچیز کا کلمہ ”حق“ نامی مقالہ پڑھا تو اس کے بارے میں یوں اپنے تاثرات لکھ کر ارسال فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علامہ اختر شاہجہان پوری مدظلہ ”اپنے وقت کے نامور عالم“ مترجم ”محقق اور صحیح العقیدہ صوفی انسان ہیں۔ جن کی زندگی اسلام و سنیت کے لئے وقف ہے۔ موصوف ”صحیح بخاری“ موطا امام مالک“ اور متعدد اہم کتب کے ترجمہ کی حیثیت سے پاک و ہند میں خاص شہرت رکھتے ہیں۔

عقائد و معمولات صحیحہ پر مشتمل آپ کی متعدد تصانیف زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ان میں ہر ایک کتاب اپنی خصوصیت کے لحاظ سے منفرد مقام کی حامل ہے، جن میں ”کلمہ حق“ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کلمہ حق کہنا، سننا اور اس پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے والے کو تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد افضل میں مصروف ہونے کی سند عطا فرماتے ہیں۔

”کلمہ حق“ میں علامہ اختر شاہجہان پوری نے حقائق کو دلائل سے مرصع فرمایا ہے اور باطل نظریات کے پرچے اڑا دیئے ہیں۔ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے اور اسے اہل حق حرز جان بنائیں۔ اللہ تعالیٰ بجاء حبیبہ الاعلیٰ صلی اللہ تعالیٰ

حق“ ۱۹۷۵ء میں ”الصوارم النندیہ“ کے مقدمے کے طور پر شائع ہوئی۔ ۱۹۸۷ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئی اور اب چند تبدیلیوں کے ساتھ پھر اسے شائع کیا جا رہا ہے۔

”کلمہ حق“ میں جناب اختر شاہجہان پوری نے علماء دیوبند کی ان ایمان سوز عبارات پر کسی تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ہے جو تقریباً ”ایک صدی سے فرقہ واریت کا سبب بنی ہوئی ہیں اور ان کی مسلسل اشاعت کی جارہی ہے۔ ہر مسلمان کے خیر میں یہ بات شامل ہے کہ وہ ناموس رسالت اور اسلام کے بنیادی عقائد کے تحفظ کے لئے سینہ سپر ہو جاتا ہے اور کسی بھی قسم کی مخالفت بات سننا گوارا نہیں کرتا۔ یہی وہ ایمانی جذبہ ہے جس نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو شیطان رشدی کے مقابل سراپا احتجاج بنا دیا ہے۔

علامہ اختر شاہجہان پوری مدظلہ کی خوش بختی ہے کہ انہوں نے ”بخاری شریف“ ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف اور ”موطا امام مالک“ کا ترجمہ کیا اور مزید فیروز بختی یہ ہے کہ یہ تمام تراجم پاک و ہند میں چھپ چکے ہیں اور مارکیٹ میں دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ متعدد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کے مصنف ہیں۔ مولائے کریم جل مجدہ انہیں تدرستی کے ساتھ تادیر سلامت رکھے۔ ان کی قابل قدر قلمی اور علمی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور دین متین کی بیش از بیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی

مولانا محمد عبدالحکیم خان صاحب کو صحت کاملہ عطا فرمائے تاکہ وہ
مسک حق اہل سنت و جماعت کی پاسانی میں مزید قلمی کارنامے
انجام دے سکیں۔ آمین ثم آمین بجاہ ط و یس و صلی اللہ تعالیٰ
علیہ و علی آلہ و صحبہ و بارک و سلم۔

(مفتی) محمد عبدالقیوم ہزاروی

ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

علیہ وسلم مولانا الموصوف کو صحت و سلامتی کے ساتھ کلمہ حق
کی سرپلندی کے لئے حیات جاوداں عطا فرمائے۔ آمین۔

حررہ محمد منشا تابش قصوری

مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور (پاکستان)

دارالعلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور کے ناظم اعلیٰ جناب مفتی محمد عبدالقیوم
ہزاروی دامت برکاتہم العالیہ نے احقر کا مقالہ ”کلمہ حق“ پڑھا بلکہ اپنی مصروفیات میں
سے وقت نکال کر کلمہ حق کو پوری طرح پڑھا اور اپنے تاثرات یوں سپرد قلم کئے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

مسک حق اہل سنت و جماعت کی شمیر برہنہ مولانا
عبدالحکیم خان صاحب مجددی شاہجہان پوری زید مجددی کی تصنیف
”کلمہ حق“ نظر سے گزری۔ اس کی اہم ایماٹ کو پڑھا۔ اس
کے مطالعہ سے جہاں مولانا الموصوف کے وسیع مطالعہ اور زور
استدلال کا پتہ چلتا ہے وہاں مخالفین اہل سنت کے ہیر پھیر اور
ان کی شاطرانہ چالوں پر مولانا موصوف کی کڑی نظر اور مضبوط
گرفت کا علم بھی ہوتا ہے۔

مولانا شاہجہان پوری مدظلہ نے تحقیق و ترجمہ کے میدان
میں شاندار خدمات سرانجام دی ہیں۔ جن کی بناء پر تمام اہل
سنت ان کے ممنون ہیں، لیکن کلمہ حق میں انہوں نے جس طرح
مخالفین کے تار پود بکھیرے ہیں یہ انہی کا حصہ ہے۔ میری دعا
ہے! اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے

الحمد لله

۳۱۔ اگست ۱۹۳۱ء کو ڈی۔ بی ہائی سکول خانقاہ ڈوگراں میں مجھے ملازمت
مل گئی، لیکن اس سے چند ماہ پہلے مجھے اپنی آغوش میں لے کر پردہ نش کرنے والی
حاجیہ نانی نواب سلطان ہم سب کو چھوڑ کر حیات جاوداں پا چکی تھیں اور میں اُس
وقت حبیب مرحومہ کا ختم چلم تھا، والد مرحوم بھی داغ مفارقت دے گئے تازہ و نعم
سے پروان چڑھانے والوں کے مقتدر میں مجھے کما تے دیکھنا مرقوم نہ تھا۔ ۱۹۴۰ء
خانقاہ ڈوگراں رہا۔ رتہ پیراں کے قریب نارنگ منڈی میں ایک انگریزی مڈل سکول
کا افتتاح عمل میں آیا اور عکبرہ تعلیم نے مجھے نارنگ منڈی تبدیل کر دیا، مجھے وہاں بطور
معلم انگریزی اپنے علاقہ کی خدمت کا موقع میسر آیا۔ تنخواہ کیا تھی ۴۵ - ۲ - ۳۵،
جس پر ۱۵٪ کوٹنی عائد تھی۔ گویا مجھے ۲۹ روپے بارہ آنے ماہانہ ملنے لگے۔ یہ اس

سیدی و محمدی قبلہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ بھارت کے ایک نامور عالم دین ہیں۔ صاحب ”بہار شریعت“ حضرت مولانا امجد علی اعظمی برکاتی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے مایہ ناز چشم و چراغ ہیں۔ موصوف دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ کے صدر شعبہ دارالافتاء اور شیخ الجامعہ ہیں۔ اگر انہیں اس وقت ہندوستان کا مفتی اعظم اور محدث اعظم کہا جائے تو بے جا نہیں۔

موصوف نے ”نہج القاری“ کے نام سے ”بخاری شریف“ کی بڑی فاضلانہ شرح لکھی ہے جس کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ چھٹی جلد کی کتابت ہو رہی ہے۔ ساتویں یا آٹھویں جلد پر شرح مکمل ہو جائے گی۔ موصوف کی ذات اس وقت مرجع علماء ہے۔ کاش! ان کا قادی منظر عام پر آجائے۔ احقر نے کچھ کتابیں حضرت کی خدمت میں ارسال کی تھیں جن میں ”کلمہ حق“ نامی مقالہ بھی تھا۔ آپ نے بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس مقالے کے بارے میں یوں اپنے اثرات کا اظہار فرمایا:

مبسلًا ومحملاً ومصلاً ومسلماً

ترجمان حدیث علامہ عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری زید مجدہ کے نام سے پہلی بار اس وقت آشنا ہوا جب میں نے اپنے عصائے پیری مولانا عبدالحق سلمہ کے ساتھ لکھنؤ امین آباد خورشید بک ڈپو ”بخاری شریف“ کی اردو شرحوں اور ترجمے تلاش کرنے گیا۔ بک ڈپو مذکور کے مالک نے مولانا موصوف کے ترجمہ بخاری کی پہلی جلد یہ کہہ کے دی کہ ”یہ آپ کے ہم مسلک عالم کا ترجمہ ہے“ چونکہ یہ ایک غیر متوقع نعمت تھی اس لئے دل باغ باغ ہو گیا اور پھر جب اس ترجمے کو دیکھا تو میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔ اس ترجمے کے بارے میں اپنے تاثرات

”مقدمہ نہج القاری“ میں میں نے لکھ دیئے ہیں۔

پھر ایک مدت دراز تک علامہ مذکور سے تعارف اسی حد تک رہا کہ یکایک دو سال قبل علامہ موصوف کا گرامی نامہ تشریف لایا اور جب سے اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ سال گذشتہ علامہ موصوف نے کتابوں کا ایک بنڈل بریلی شریف کے ایک صاحب کے بدست روانہ فرمایا جو مجھے بہت بعد میں ملا۔ مگر جب ملا اور اسے کھولا تو اس میں متعدد کتابوں کے ساتھ ”کلمہ حق“ نامی رسالہ بھی تھا۔ میں نے اسے از اول تا آخر بغور مطالعہ کیا تو مولانا کی ذہانت، فطانت، مناظرانہ صلاحیت اور کثیر معلومات پر متحیر ہو کر رہ گیا۔

دیوبندی مذہب کی بنیاد انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی چٹک عزت، ان کی اہانت اور ان کی توہین پر ہے۔ یہ وہ بدیہی حقیقت ہے جسے جھٹلانا آفتاب کی تکذیب کے مترادف ہے۔ مگر علماء دیوبند نے اپنی اس باطنی سرشت کو ظاہری علم اور پابندی شریعت کے لہارے میں اپنا چھپا رکھا ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کے بہت سے لوگ ان کے بارے میں یہی جانتے ہیں کہ اس گروہ سے بڑھ کر دین دار کوئی اور طبقہ نہیں، مگر یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں، خود حدیث میں ان کی نوع کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

تَعْتَرُونَ صَلَاتَكُمْ عِنْدَ صَلَاتِهِمْ وَ صَلَاتِهِمْ عِنْدَ صَلَاتِهِمْ۔

تم لوگ اے صحابہ! اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے بالقابل اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے سامنے حقیر جانو گے۔

مگر اس کے باوجود خود باقی اسلام نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

يَعْرِضُونَ الْقُرْآنَ وَلَا يَجَاوِزُ حَنَا جَرْمِهِمْ

قرآن پڑھیں گے مگر ان کے حلق کے آگے نہیں پڑے گا۔ اور پھر اخیر میں ان کے بارے میں یہ فتویٰ ارشاد فرمایا:

يَمْرُقُونَ مِنَ اللَّيْنِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرِّمَّةِ

دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے نشانے کو پار کر کے نکل جاتا ہے۔

علماء دیوبند ظاہری دین داری کے لبادے میں اہانت رسول کے جرم کو کتنا ہی چھپائیں، نہ وہ چھپا ہے نہ چھپ سکتا ہے نہ گھر جو چپ رہے گی زبان خنجر ہو پکارے گا آستیں کا

جو باتیں ان کے مذہب کی بنیادی کتابوں میں چھپی ہوئی موجود ہیں، انہیں کون چھپا سکتا ہے۔ البتہ اب ایک شاطر جنگ باز کی طرح علماء دیوبند نے اپنے جرم کا عشیہ سے عوام کی توجہ ہٹانے اور نیا محاذ جنگ قائم کرنے کے لئے یہ شروع کر دیا ہے کہ بے بنیاد، استہسائی رکیک اور مہمل اعتراضات مجدد اعظم، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ پر شروع کر دیئے ہیں۔ چونکہ ان کے یہاں دولت کی فراوانی ہے، پریس کی قوت ہے، افراد کی بہتت ہے، اس لئے اتنے زبردست پروپیگنڈے کی بدولت اس میں اب

تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔ اس خصوص میں وہ اتنے بے باک، نڈر اور جری ہیں کہ انہیں قرآن و حدیث کی بات تو بہت دور ہے خود اپنے اکابر کی تحریروں کا بھی پاس و لحاظ نہیں ہوتا۔ بس مقصد یہ ہے کہ کسی طرح بحث اور باتوں پر ہو اور گستاخانہ

کفری عبارتوں پر مکتگو کی نوبت نہ آئے۔ یہی ہندوستان میں ہو رہا ہے اور یہی پاکستان میں بھی ہو رہا ہے۔

سرفراز ککمرڈی کی کتاب اسی شاطرانہ جنگ کی ایک کڑی ہے۔ مجھے کلمہ حق پڑھ کر بڑی خوشی ہی نہیں مکمل اطمینان ہو گیا کہ علامہ اختر موصوف بہتر ماہر نباض فطرت اور بہت ذہین مناظر ہیں۔ انہوں نے اپنے حریف کی اصل غرض و غایت سمجھ کر کلمہ حق لکھا ہے۔ سب سے پہلے اکابر دیوبند کے اس جرم کو نہایت تحقیق سے بیان فرمایا جس کی بناء پر علماء حل و حرم، ہندو سندھ نے ان پر حکم کفر دیا یعنی اہانت رسول کا جرم۔ پھر اس سوال کا جواب دیا ہے کہ آخر اکابر دیوبند نے اتنے بڑے جرم کے ارتکاب کی ہمت کیسے کی؟ انہوں نے یہ سب کچھ انگریزوں کی شہ پر بلکہ ان کی لگائی ہوئی ڈیوٹی کے بطور انجام دیا۔ اس پر انہوں نے خود دیوبندی مصنفین کی کتابوں سے ناقابل انکار دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں۔ پھر ککمرڈی صاحب کی خدمت کی اور خوب کی ہے، جسے پڑھ کر بے ساختہ یہ شعر زبان پر آتا ہے:

ترا کہ گفت کہ اے نازنین ز پردہ برآ

ز غمزہ بر سر مرداں شیر اقلن زن

حقیقت یہ ہے کہ کتاب کلمہ حق دیوبندیت کے تابوت میں آخری کیل ہے۔ اسے پڑھنے کے بعد بھی کوئی دیوبندی رہ جائے تو اس کے بارے میں یہی کہا جائے گا: من لم يجعل الله له نورا فلما له من نور۔ علامہ موصوف نے اطلاع دی ہے کہ وہ اس کتاب کو مزید اضافے کے ساتھ چھپوا رہے ہیں۔ بہت خوش

آئندہ خبر ہے۔ میں اس کاشت کے ساتھ ٹھکر رہوں گا۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ عزوجل اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل انہیں صحت و قوت عطا فرمائے، ان کے عمل ہمایوں کو دراز فرمائے، ان کے فیوض کو اور عام و تام کرے، آمین ثم آمین۔

محمد شریف الحق امجدی

۳۰ محرم الحرام ۱۳۱۳ھ

یکم اگست ۱۹۹۲ء

پیر عبدالغفور شاہی رحمہ

زمانے کے مطابق ایک اچھی بھلی اور معقول آمدن تھی۔ کیا یہ بہتر نہ ہو گا کہ میں ۱۹۲۲ء اور ۱۹۸۲ء کی قیمتوں کا موازنہ کر دوں تاکہ کتاب ہذا کا مطالعہ کرنے والے حالات کی تبدیلی کا اندازہ کر سکیں۔

نمبر شمار	نام اشیاء ضروریات روزمرہ	قیمت ۱۹۲۲ء سابقہ سکہ کے مطابق	قیمت ۱۹۸۲ء موجودہ سکہ کے مطابق	کیفیت
۱	گندم آٹا	۲۰ پیسے فی من	۸۵۰ پیسے فی من	مزدوری معمار
۲	چاول اعلیٰ	۲۰ پیسے فی سیر	۸۵۰ پیسے فی سیر	یومیہ تھی
۳	گھی	۱۰۰ پیسے فی سیر	۳۵۰ پیسے فی سیر	مزدوری مزدور
۴	گوشت	۳۶ پیسے فی سیر	۲۲۰ پیسے فی سیر	یومیہ تھی
۵	دودھ	۱۰ پیسے فی سیر	۳۵۰ پیسے فی سیر	۲۵ پیسے تھی
۶	انڈا	۶ پیسے کے دو	۱۰۰ پیسے فی عدد	کرایہ ہاگ لہو
۷	عام مرغی	۲۵ سے ۳۰ پیسے تک	۳۰۰ پیسے فی عدد	۴ پیسے فی سواری
۸	ایندھن	۲۵ پیسے فی تن	۲۵۰ پیسے فی من	سالم ہاگ
۹	ماچہ داسلائی	۳ پیسے	۲۵ پیسے فی عدد	۲۵ پیسے فی گھنٹہ
۱۰	تکڑا کو	۶۰ پیسے فی سیر	۱۲۰ پیسے فی سیر	عام گائے شیردار
۱۱	تیل مٹی فی بوتل	۳۰ پیسے فی بوتل	۲۵۰ پیسے فی بوتل	عام بھینس شیردار
۱۲	سبزیاں	۲ پیسے سے لے کر	۸۵۰ پیسے فی سیر	۲۵۰ پیسے تک
۱۳	پیار	۶ پیسے فی سیر	۴۰ پیسے فی سیر	۲۵۰ پیسے تک
۱۴	نسن	۹ پیسے فی سیر	۹۰ پیسے فی سیر	۲۵۰ پیسے تک
۱۵	چینی	۲۵ پیسے فی سیر	۸۵۰ پیسے فی سیر	۲۵۰ پیسے تک
۱۶	تیل سرسوں	۱۵ پیسے فی سیر	۱۱۰ پیسے فی سیر	۲۵۰ پیسے تک
۱۷	جوتی دیسی	۲۵ پیسے فی جوتا	۵۰۰ پیسے سے ۸۰۰ پیسے	۲۵۰ پیسے تک
۱۸	بوٹ	۲۵۰ سے ۴۵۰ پیسے	۸۰۰ سے ۱۱۰۰ پیسے	۲۵۰ پیسے تک

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحق الحق

سلطان القادریں حضرت حمید الدین عاکم کے احوال و آثار اور آپ کے اسلاف و اخلاف کا ذکر جمیل

مستحق بحق اور مستحق محض

پر اول درجہ المرتب ۱۳۱۱ھ

تبدیل

پیر عبدالغفور شاہی رحمہ

محمد جاوید اقبال شاہی

محمد عزیز الدین

محمد صدیق

پاکستان

لکھنے کے وقت

پیر عبدالغفور شاہی رحمہ کے مصلح شیخ

قاضی علی گشت ۱۳۱۱ھ و القادریں حمید الدین عاکم و آثار

۱۹	ٹوپی یا کلاہ	۱۲۵ پیسے	۵۰۰۰ پیسے فی عدد	عام سواری کا گھوڑا
۲۰	دو گھوڑا بروکی	۴۰ پیسے فی گز	۸۰۰۰ پیسے فی گز	۶۵۰۰ پیسے تک
۲۱	مل چھبی	۲۵ سے ۳۰ پیسے	۵۵۰ پیسے گز سے ۸۵۰ پیسے	گدھا
	لٹا فینسی	۲۵ سے ۳۰ پیسے	۳۴ پیسے	۵۰ پیسے کا تھا

ان کوائف سے واقف ہو جانے کے بعد آپ خود اندازہ لگالیں کہ ۱۹۳۲ء کی تنخواہ اور آج کی سینکڑوں ہزاروں کی تنخواہ کا کیا مقابلہ ہے؛ وہ بہتر تھیں یا یہ؟ تنخواہوں میں تو زیادہ سے زیادہ ۳۰ فی صد کا اضافہ ہوا ہے، لیکن اشیائے ضرورت میں ۱۰۰٪ بھی نہیں بلکہ ۵۰٪ تک زیادتی ہو چکی ہے۔ اس طرح آج کا ۳۰۰۰ روپے ماہانہ کا ملازم ہمارے زمانے کے ۳۰ روپے مشاہیر کے والے ملازم سے بری حالت میں اور ۵۰۰۰ روپے ماہانہ پانے والا ۵۰ روپے پانے والے سے اتر ہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ میرے نانا مرحوم اور نانی مرحوم نے جب حج کیا تھا تو ان کے اخراجات ۳۴ روپے فی کس اٹھتے تھے، جو آج کے ۲۶۰۰۰ روپے کے برابر ہیں۔ لاہور سے کراچی کا کرایہ ۸ روپے یعنی ۸۵۰ پیسے تھا۔ آج کیا ہے؟ خود حساب لگائیے میں کیوں دردمسکول لوں؟ لاہور سے پنڈی کا کرایہ ۹۵ پیسے تھا آج کیا ہے؟ نندہ بس سروس والے لاہور سے کشمیر سری نگر آنے جانے کا کرایہ ۵۵۰ پیسے لیتے تھے۔ پلیٹ فارم ٹکٹ ۶ پیسے کا تھا، جو آج ۵۰ پیسے کا ہے۔

عرصہ ہوا مجھے والد مرحوم کے اخراجات کی کاپی ملی تو اس میں لکھا تھا: ایک پیسہ برائے کھانا، ۲ پیسے فی کس کھانا۔ میں نے والد مرحوم سے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا بیٹے! ہم یتیم ہو کر قصور سے لاہور آ گئے۔ آمدن کچھ بھی نہ تھی۔ جو کچھ مل جاتا، اُس میں سے چھوٹے بھائی کھانا کھانے کے لیے ہر روز مجھ سے لے جاتے۔ جو ایک پیسہ لے کر جاتا اسے تنور کی دو بڑی روٹیاں اور دیسی گھی میں پکی ہوئی کچھ دال مل جاتی اور